کلمہ طیبہ

کمپیوٹر کی مدد سے لی گئی انسانی سانس کی نالی اور پھیپھڑے کی تصویر جس پر کلمہ طیبہ تحریر ہے

مدیرِ اعلیٰ
صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

سبحان الخالق

كلمة التوحيد في صدر كل انسان ..!

○ كلمة التوحيد كما صورها جهاز الكمبيوتر في صدر انسان

جدة: طلال عطية

كانت المفاجأة عندما تم تصوير صدر احد الاشخاص بجهاز الكمبيوتر الطبي بمستشفى الحرس الوطني بجدة حيث نطقت قدرة الخالق عز وجل فقد كان التصوير فقط رسم بالكمبيوتر القصبة الهوائية والرئة اليسرى من صدر الانسان ليظهر لنا جليا كما هو واضح لنا الصورة كلمة التوحيد وعلى اسم خاتم الانبياء سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم وصدق الله العظيم في كتابه العزيز سنريهم آياتنا في الآفاق وفي انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق......

هذا الشكل يظهر في صدر كل انسان وسبحان الخالق الباري

روزنامہ البلاد، جدہ (سعودی عرب) شمارہ یکم شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ

ترجمہ:- جدۃ طلال عطیۃ

اس وقت حیرت واستعجاب کی انتہا نہ رہی جب حرس وطنی جدہ کے ہاسپٹل میں ایک شخص کے سینے کا کمپیوٹر کے ذریعہ ایکسرے لیا گیا...... یہ پوزیشن سانس کی نالی اور داہنے پھیپھڑے کا ہے اس میں کلمہ طیبہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے یہ قدرت کی نشانی اور معجزہ ہے قرآن کہتا ہے "ہم لوگوں کو کائنات کے اندر اور خود ان کی جانوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ کھل جائے گا کہ حق یہ ہے"۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ
القرآن
بسم اللہ الرحمن الرحیم
هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِىْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
ماهنامه
A.B.C. Certified
نور الحبیب
بصیر پور
جلد نمبر 28
شمارہ نمبر 8
Regd No. PS / CPL - 25
ISSN 1993-4238
ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ
اگست 2016ء
زیر ظل عاطفت
فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی
بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ و ماہنامہ نور الحبیب (بصیر پور شریف)
مدیر اعلیٰ
صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری
مجلس ادارت
علامہ احمد علی قصوری
ڈاکٹر ضیاء الحبیب صابری
مولانا محمد منشاء تابش قصوری
پروفیسر خلیل احمد نوری
صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری
منیجر: محمد شریف نوری
0301 - 3168566
تزئین: مولانا محمد یوسف نوری
کمپوزنگ: نوری کمپوزنگ سنٹر بصیر پور شریف
سرورق:
ہلوکر گرافکس
خصوصی چندہ سالانہ: =/1200 روپے
عمومی چندہ سالانہ: =/400 روپے
فی کاپی: =/40 روپے
ترسیل زر کا پتہ:
انجمن حزب الرحمٰن (شعبۂ تبلیغ) دارالعلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور ضلع اوکاڑا پوسٹ کوڈ 56011 فون نمبر: 044-4771014
E-Mail: noorulhabibmonthly@gmail.com
ناشر محمد محب اللہ نوری نے گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر نور الحبیب بصیر پور سے شائع کیا

اس شمارے میں

منظومات

حمدِ مالک ومولا جل جلالہ

جو مانا ، اسم رب کے سوا ، کوئی اسم اعظم کیا ہو گا
اس شخص سے بڑھ کر عقبیٰ میں انسان معظم کیا ہو گا

جو خلدِ درودِ سرور کا سائل بھی ہو اور پر چارک بھی — قسمت میں اس خوش قسمت کی آزارِ جہنم کیا ہوگا
جب منان ووہاب خدا ناصر نہ ہو بندۂ مذنب کا — جو زخم پکا ہے عصیاں کا ، پھر اس کا مرہم کیا ہوگا
سجدہ میں ارضِ پاک میں تو مغرب کی طرف کو کرتا ہوں — پر پہنچا خانۂ کعبہ تک تو پورب پچھم کیا ہو گا
تحمید کے گل ہائے رنگیں جب تک نہ لبوں سے نکلیں گے — پھولوں سے لدا پھندا الو گو یہ گلشنِ عالم کیا ہوگا
اعمال شنیعہ ہوں سارے ، دل خوفِ خدا سے خالی ہو — ہونٹوں پہ جو ہو چسپیدہ بھی ایمان کا پرچم ، کیا ہوگا
تعمیل احکامِ الٰہی کی ، اعمال کی جب فہرس میں نہیں — قرآنِ مجید کو پڑھ سن کر ، سر بندوں کا خم کیا ہوگا
دیں خالقِ اکبر کا اپنے ہونٹوں پہ تو ہے ، عملوں میں نہیں — دنیا طلبی کا ہوکا جو ہم سب میں ہے ، وہ کم کیا ہوگا
جب تک نہ ہو شیرازہ بندی اللہ کے سارے بندوں کی — یہ عالم کفر و تظلم کا بھی درہم برہم کیا ہو گا
اللہ کی وحدانیت پر جانے کب یک جاں ہو پائیں — انبوہ یہ بھیڑ کی صورت ہے ، لگتا ہے منظم کیا ہوگا
جب مقتدر حلقے خالق کے ڈر کو نہیں خاطر میں لاتے — یہ شور جو لوٹ کھسوٹ کا ہے ، یہ ملک میں سے کم کیا ہوگا

محمود جو ناانصافی کی ہاتھوں میں لیے ہیں لٹھ حاکم
انصاف کی کرسی پر ہو گا جب خالقِ عالم ، کیا ہو گا

راجا رشید محمود

مدحِ سرکارِ والا ﷺ

محشر کا مجھے کچھ خوف نہیں ، کیوں سوچوں ، اس دم کیا ہو گا
ہونٹوں پہ درودِ پاک ہوا تو خالق برہم کیا ہو گا

ہر دم جو نہ روح و جاں میں رکھے محبوبِ خدا کی الفت کو
اکرام حضورِ اکرم کا اس شخص پہ پیہم کیا ہو گا

سرکار کی مدحت سے ہے مسرت روح کی، آنکھوں کی ٹھنڈک
چمکے گا تبسم نعتوں کا تو دیدہ پرنم کیا ہو گا

کافر بھی خدا کو مانتے ہیں ، بھگوان کہیں یا گاڈ کہیں
جب تک نہ پیمبر کو مانیں ، ایماں مستحکم کیا ہو گا

مبذول توجہ کر نہ سکا جو سرور ﷺ کی اپنی جانب
بدبخت ہے وہ ، اس بندے پر خوش خالقِ ارحم کیا ہو گا

مجموعے مری نعتوں کے بھی جب حشر میں ساتھ مرے ہوں گے
دوزخ کے فرشتے جو ہیں ، انھیں موقع ہی فراہم کیا ہو گا

دنیا میں عقیدت کا مرکز واحد ہے دیارِ سرورِ دیں ﷺ
تو مرغِ فکر کسی جانب طیبہ کے سوا رم کیا ہو گا

آقا کے کہے سے بندوں پر جو شخص نہیں شفقت کرتا
ہر دم اللہ کا لطف و کرم اس فرد کا ہمدم کیا ہو گا

جو ذکر حبیبِ خالق ﷺ میں سر کو نہ جھکائے رکھتے ہوں
آگے ایسے انسانوں کے ، گردن میں مری خم کیا ہو گا

دوری جو شعار کیے بیٹھے ہیں شعائر دیں سے ہم سارے
امت کا رسولِ اکرم ﷺ کی ، شیرازہ منظم کیا ہو گا

سوچو ذرا منظر محشر کا ، محمود پڑھے گا نعتِ نبی
اور ہوں گے لوائے حمد تلے سرکارِ دوعالم ﷺ کیا ہو گا

راجا رشید محمود

کچھ
بیاں
اپنا

مدینہ منورہ میں خودکش دھماکہ

یہ روزِ بد بھی دیکھنا تھا اور یہ شام کرب و بلا بھی آنی تھی کہ ملت اسلامیہ کے ایمانی و روحانی مرکز، سرور کائنات مفخر موجودات، تاجدار حرم، سید الانبیاء والامم، رحمۃ للعالمین ﷺ کے مقدس شہر --- مدینہ منورہ --- میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے جنت البقیع کے قریب ۲۹ ر رمضان المبارک کو افطاری کی مبارک ترین ساعتوں میں خودکش دھماکہ کیا گیا --- اس روح فرسا خبر سے ہر ایمان دار لرز گیا --- ہر محبِّ رسول تڑپ اٹھا --- بلا شبہ ہر دل دردمند اس سانحہ پر خون کے آنسو رو رہا ہے --- اس ننگ انسانیت سانحہ پر مذمت کا لفظ تو بہت حقیر نظر آتا ہے --- ہمارے سر شرم و ندامت سے جھکے ہوئے ہیں --- کیا کبھی روضہ رسول کے پاس ایسی سفاکیت کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے ---

ایک سازش کے تحت پوری مسلم امہ دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے، مگر یہ سانحہ کسی ایک فرد، ایک قوم، ایک ملک کا نہیں، پوری ملت اسلامیہ کے قلب و جگر، روح و رواں اور مرکز ایمان و ایقان پر حملہ ہے --- اسلام دشمن قوتیں مقدس مقامات کو نشانہ بنا کر مسلم امہ میں مزید مایوسیاں پیدا کرنا چاہتی ہیں اور دیگر عالم اسلام کی طرح اس پاک سرزمین حرم کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی خوف ناک سازش ہے --- جو لوگ ان حملوں میں ملوث ہیں، یقیناً دشمن کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں اور عالم اسلام کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں ---

ایسی دہشت گرد اور سفاکانہ کارروائیاں ایک منظم منصوبے کے تحت مسلمان ملکوں میں قتل و غارت پروان چڑھانے اور مسلمانوں کو باہم دست و گریباں کرنے کی ناپاک سازش ہے --- مسلم امہ کو اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد ہو کر جرأت مندانہ

اقدامات کرنے چاہییں، مگر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ اس عظیم ترین سانحہ پر جس قدر ردعمل کی ضرورت تھی، اس کا عشر عشیر بھی دیکھنے میں نہیں آیا---افسوس آج مسلم حکمرانوں میں کوئی سلطان نور الدین زنگی جیسا مجاہد نہیں جو روضہ رسول تک پہنچنے والے دہشت گردوں کو رہتی دنیا تک کے لیے نشان عبرت بنا سکے---اس سانحہ کو تین ہفتوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا، ہنوز اسلامی ملکوں کے رہنماؤں کی طرف سے غیرت مندانہ ردعمل سامنے آیا اور نہ ہی کوئی لائحہ عمل طے کیا گیا---

چاہیے تو یہ تھا کہ اس سانحہ کے فوراً بعد مسلم امہ کے تمام سربراہان کی مدینہ منورہ میں ہنگامی کانفرنس بلائی جاتی اور گنبد خضرا کے سائے میں ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر علامتی زنجیر بناتے ہوئے اظہار یک جہتی کیا جاتا، تا کہ ملت اسلامیہ کے دشمنوں، شرپسندوں اور فتنہ پروروں کو واضح پیغام جاتا کہ حرمین شریفین کے تحفظ کے لیے تمام اختلافات کو پس پشت ڈالتے ہوئے تمام مسلمان متحد و متفق ہیں اور اس مقصد کے لیے اپنی جانیں بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں اور جو ناپاک نظر گنبد خضراء علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مقدس مقامات کی جانب اٹھے گی، وہ آنکھ پھوڑ دی جائے گی---

اس سلسلہ میں ایٹمی صلاحیتوں کے حامل پاکستان اور سعودی عرب کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر ہے---ہمارا ایٹمی اسلحہ اور ہماری بہادر فوج کی صلاحیتیں اگر تحفظ حرمین کے لیے کام نہ آئیں تو ان کا مصرف کیا ہے؟---

کاش سربراہان امت مسلمہ کو "احساسِ زیاں" ہو جائے اور وہ نزاکت وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے متفقہ طور پر مومنانہ، مدبرانہ، غیرت مندانہ اور جرأت مندانہ دوٹوک فیصلے کر سکیں اور اپنے آقا و مولیٰ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و حرمت اور اسلام کی سربلندی کے لیے امت واحدہ کی صورت اختیار کر لیں---اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر کرم فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو اتحاد امت کے لیے ذاتی مفادات اور مصلحتوں سے بالاتر ہو کر امت کی سطح پر ایمانی، اخلاقی اور روحانی تقاضوں کے مطابق کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے---

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحبہ اجمعین

بصیر پور شریف — (صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

۲۶ر جولائی ۲۰۱۶ء — مدیر اعلیٰ ماہ نامہ نور الحبیب

ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے؟

علامہ احمد علی قصوری
صدر---مرکز اہل سنت پاکستان

محترم قارئین! آج کل ''بابا جھلے شاہ قصوری'' کے شب و روز سخت پریشانی، اضطراب، بے چینی، ذہنی کش مکش اور ہیجانی کیفیات میں گزر رہے ہیں، ایسے حالات و کوائف میں ماہ نامہ ''نور الحبیب کے مدیر محترم'' پیر طریقت حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مدظلہ، جو کہ اپنے روحانی، تدریسی، تعلیمی، انتظامی (تنظیمی نہیں) اور ادارتی فرائض کی ادائیگی کے لیے ہمہ دم کمر بستہ اور چوکس رہتے ہیں، کے حکم کا احترام اور بجا آوری اپنی جگہ، لیکن فرماں برداری کا جذبہ و ذوق رکھنے والا شخص اگر غم جاں اور غم جاناں سے لے کر غم دوراں تک کے جھمیلے، بکھیڑے اور دکھیڑے پالنے کا معمول اور شوق رکھتا ہو اور جس کی ہر وقت گھومنے والے دماغی چکی میں بیک وقت گندم، جو، چنے، مکی، باجرے کے دانے پڑ رہے ہوں یا ڈالے جا رہے ہوں تو اس چکی سے آپ کے میٹھے حلوے کے لیے سوجی، میدہ نکلے گا یا آپ کے کرارے پکوڑوں کے لیے بیسن خارج ہوگا، تبخیر معدہ والوں کے لیے زود ہضم دلیہ یا آپ کی بھیڑوں بکریوں، چھتروں دنبوں کے لیے چوکر اور چھان بورا، یہ آپ خود ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی [علامہ اقبال]

یہ جو رمضان المبارک جیسے معظم ومقدس مہینے کی ۲۷ویں شب مبارکہ کو عطا کی جانے والی مملکتِ پاکستان کو گنتے چنے حرام خور حکمرانوں، ان کے وزیروں، شنذیروں، ابلیس کے چیلے سیاست دانوں، نمک حرام سرمایہ داروں، بہروپیے مذہبی چہروں، اللہ ورسول کے باغیوں، طاغیوں، ایک ایک چہرے پر کئی کئی چہرے سجا لینے والے منافقوں، عالمی سطح کی لادینی، طاغوتی، ابلیسی، سامراجی طاقتوں کے آلہ کار، گنتی کے غداروں اور دہشت گردوں کو چھوڑ کر کروروں محبانِ دین ووطن کے لیے وطن عزیز کو سوالستان اور مسائلستان بنا دیا گیا ہے، اس کے وجوہ واسباب کیا ہیں؟ اگر موجودہ جاری اور روز بروز بڑھتے ہوئے تشویش ناک حالات ومسائل کا تجزیہ کرنے کے لیے آپ چاہے ترتیب عروجی (نیچے سے اوپر کی طرف) کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنی ذات، جماعت، برادری اور محلے سے شروع کریں یا ترتیب نزولی (اوپر سے نیچے) کی راہ اختیار کریں، یعنی حکمرانوں، قوت نافذہ پر مسلط وقابض فرعونوں، پالیسیاں بنانے والے ہامانوں، ۹۰ فی صد ملکی وسائل اور مال ودولت پر قابض قارونوں، سیٹھوں کی بالاتر سطح سے نچلی پستیوں کی طرف لڑھکنا شروع کرلیں، ہماری ''جھلے شاہی رائے'' کے مطابق دونوں صورتوں میں سب سے بڑا اور بنیادی سبب ایک ہی نظر آئے گا، وہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہوگی۔

بحثیت مسلمان (اگر ہم سچے ہیں تو) سب سے پہلے اس کائنات کے خالق ومالک (جو کہ علیم وحکیم بھی ہے اور اس کائنات کا حاکم حقیقی بھی ہے) کی طرف سے قیامت تک کے انسانوں (بالخصوص جملہ مومنین ومومنات) کے لیے مکمل دستور حیات کے طور پر نازل کردہ قرآن مجید فرقان حمید کی طرف رجوع کرنا ہوگا:

فاش گویم آں چہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
گر تو مے خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

[مفکر پاکستان، حکیم الامت علامہ محمد اقبال]

(مفہوم) ''جو کچھ میرے قلب وضمیر میں ایک انتہائی ایمانی نکتہ، قیمتی راز کی طرح پوشیدہ ہے، اسے میں تمہارے سامنے کھول کر بیان کر دینا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ (قرآن کریم کو عام کتابوں کی طرح محض ایک کتاب سمجھنے کی غلطی نہ کر بیٹھنا)

یہ کوئی عام کتاب نہیں ہے، یہ کچھ اور ہی بے مثال قسم کی چیز ہے، یعنی خالق کائنات کا جامع، مکمل اور آخری کلام ہے---

اور ہاں، اے میرے دوست! اگر تم بحیثیت مسلمان زندگی گزارنے کے خواہش مند ہو تو میری یہ بات اچھی طرح پلے باندھ لو کہ اس مقصد اعلیٰ کا حصول قرآن کے (الفاظ کی تلاوت، اس کے احکام اور حکمتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہوئے) بغیر ممکن ہی نہیں ہے"---

تو نمی دانی کہ آئینِ تو چیست | زیرِ گردوں سرِ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم | حکمتِ او لایزال است و قدیم
رہزناں از حفظ او رہبر شدند | از کتابے صاحب دفتر شدند

(**مفہوم**) "اے مومن اور مومنہ! تمہیں معلوم نہیں کہ تیرا دستور حیات اور آئین کیا ہے؟ اس آسمان کے نیچے اگر تمہیں امت کی حیثیت سے گم شدہ دبدبہ و غلبہ، چھنا ہوا وقار و اقتدار، کھویا ہوا عروج و کمال دوبارہ کیسے مل سکتا ہے؟ وہ صرف اور صرف اس خود زندہ اور زندگی عطا کر دینے والی کتاب قرآن حکیم کے ذریعے ہی ممکن ہے، کیوں کہ یہ اس خدائے لم یزل کا کلام ہے کہ جسے زوال ہو ہی نہیں سکتا---

میری اس بات کو محض شاعرانہ جذباتیت سمجھ کر نظر انداز نہ کر دینا، کیا یہ تاریخی حقائق (Historical Facts) نہیں ہیں کہ اسی کتاب انقلاب نے رہزنوں کو ایسے رہبر و رہنما بنا دیا کہ چشم فلک اب تک ان کی مثالیں تلاش کرتی پھرتی ہے کہ جو صرف اسی ایک کتاب لاجواب پر عمل پیرا ہو کر پوری دنیا کے اوپر چھا گئے"---

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ---

"ہم جو کچھ قرآن (کی صورت) اتارتے ہیں، وہ (بالخصوص) اہل ایمان کے (تمام جسمانی، روحانی، اخلاقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، سماجی، انفرادی، اجتماعی، دکھوں، روگوں، مرضوں) لیے شفاء اور رحمت ہے"---

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ○---[الاسراء:۸۲]

''اور (اس کے احکام کے نہ ماننے والے منکروں) ظالموں کے لیے تو
صرف خسارے میں ہوتا ہے''---

آیئے! اب ہم قرآن کریم کے ایک اور مقام کو آئینہ بنا کر سامنے سجالیں اور اپنی اپنی شکلیں دیکھ لیں۔ اوپر کی سطور میں مذکور دونوں ترتیبیں (عروجی و نزولی) بھلے الگ الگ کر کے فکری و تجزیاتی سفر کر لیں، چاہے اکٹھی کر کے (اگر ہو سکے تو) دیکھ لیں کہ انفرادیتوں سے ہی اجتماعیتیں وجود میں آتی ہیں اور افراد سے معاشرے بنتے اور قومیں تشکیل پاتی ہیں:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ [علامہ اقبال]

ویسے تو سارا قرآن حق و ہدایت کا سرچشمہ ہے، سردست قرآن کریم کی ایک سورہ (الفرقان (۲۵) حق و باطل، صحیح اور غلط کے مابین فرق واضح کر دینے والی) کا ایک مقام پیشِ نظر ہے:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـھَهٗ ھَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ ھُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۝---[۴۳-۴۴]

''(اے میرے نبی!) کیا تم نے اس (فرد) کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش کو (ہی) اپنا معبود بنالیا ہے، کیا آپ اس (اپنی خواہشات کی پوجا پاٹ کرنے والے شخص) کی وکالت (ذمہ داری) قبول کریں گے؟---

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان (نفس کے پجاریوں) میں سے بہت سے لوگ (آپ کی بات) سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں، بالکل نہیں، (بلکہ) وہ تو جانوروں جیسے بلکہ ان سے بدتر گمراہی کی راہ پر ہیں''---

اگرچہ ان آیات کا براہ راست بنیادی تعلق کھلے اعتقادی کافروں، علانیہ منکروں اور مرتدوں کے ساتھ ہے، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ نام نہاد کلمہ گو، نسلی مسلمان جو ''نام موناں، کام کافراں'' کا مکمل نمونہ بن کر اپنی عملی زندگی گزار رہے ہیں، وہ غضب و عذاب الٰہی کی زد میں آ کر دنیوی ذلت و مغلوبیت اور اُخروی گرفت و سزا سے بچ جائیں؟ آخر اللہ نے اپنے پاک کلام میں جن لوگوں کو جانوروں اور حیوانوں سے بدتر قرار دیا ہے اور وہ ''اکثرھم''

بہت بڑی تعداد میں ہیں، انھیں کیوں جانوروں سے زیادہ برے اور گمراہ کہا گیا ہے، یقیناً اس لیے بھی کہ نظام الٰہی کی مطابق جانور تو جہنم میں ہرگز نہیں جائیں گے مگر انسانوں کو سزا بھگتنا ہوگی۔ آیئے اس کا کچھ مفہوم اور تشریح مفسر قرآن، استاذ الاساتذہ، صدر الافاضل، الحافظ الحکیم مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی دامت فیوضھم و نوّر اللہ مرقدہ کے الفاظ میں سمجھیں:

"کیونکہ چوپائے (تو پھر بھی) اپنے ربّ کی تسبیح کرتے ہیں (حالانکہ وہ مکلف نہیں ہیں) اور (مخلوق انسانوں میں سے) جو انہیں کھانے کو دے اس کے مطیع (فرماں بردار) رہتے ہیں (حالاں کہ وہ فرد صرف چارہ ڈال رہا ہے، ان کا حقیقی رازق نہیں ہے) اور (وہ جانور اپنے اوپر) احسان کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور تکلیف دینے والے سے گھبراتے (کنی کتراتے اور حتی الوسع بچتے) ہیں، نافع (فائدہ دینے والی اشیاء) کی طلب کرتے ہیں، مُضر (نقصان اور تکلیف دہ) سے بچتے ہیں، چراگاہوں (مفید و صحت مند غذاؤں اور لذیذ چارے والے مقامات اور ان) کی راہیں جانتے (پہچانتے) ہیں، (مگر) یہ کفار (فاسق و فاجر اور ناشکرے لوگ) ان (جانوروں) سے بھی بدتر ہیں کہ نہ اپنے (خالق و مالک و رازق) ربّ کی (عبادت و) اطاعت کرتے ہیں، نہ اس کے احسان کو پہچانتے ہیں، نہ شیطان جیسے (عیار و مکار اور کھلے) دشمن کی ضرر رسانی (اور انسان کو مکمل طور پر تباہ و برباد کرنے والی اس کی چالوں اور وسوسہ اندازیوں) کو سمجھتے ہیں، نہ ثواب جیسی عظیم المنفعت (دنیوی فلاح و کامرانی، اُخروی نجات و مغفرت اور اپنے رب کے قرب و رضا کی ضمانت مہیا کرنے والی) چیز کے طالب (ہوتے) ہیں، نہ عذاب جیسے سخت مضر مہلکہ (مثلاً دنیا میں ذلت و مغلوبیت، غیروں کی غلامی و محکومیت اور آخرت میں جہنم تک راہ ہموار کردینے والی عادتوں) سے بچتے ہیں"---

(**نوٹ**: اس پیراگراف میں بریکٹس کے اندر لکھے گئے الفاظ ہمارے ہیں)

آیئے! ترتیب نزولی و عروجی کے کچھ بخیے اور ادھیڑتے ہیں، بے مثال ریاست مدینہ منورہ کی پیروی کا دعویٰ اور خواہش لے کر تقریباً پون صدی (۶۹ سال) پیش تر برصغیر ہند میں فکر اقبال کی پیروی، باکردار رہنما قائداعظم کی قیادت، راست فکر علماء و مشائخ کی سرپرستی اور عامۃ المسلمین کے ایمانی جوش و جذبے کے نتیجے میں معجزانہ طور پر پاکستان کے نام سے

دنیا کے نقشے پر جو ریاست نمودار ہوئی تھی اور جس کا آدھا حصہ ہم دشمنوں اور غیروں کی سازشوں، اپنے چند سیاست دانوں کی غداریوں اور اندرونی حماقتوں، غفلتوں کی بنا پر پہلے ہی گنوا چکے ہیں، اب ہم باقی ماندہ مغربی پاکستان کی ایمانی، اعتقادی، روحانی، اخلاقی، تہذیبی بنیادوں اور قدروں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے دن رات جتے ہوئے ہیں۔ سیاسی ابتری، پراگندگی، آپادھاپی، گردشِ مال و زر کے کافرانہ، غیر منصفانہ، ظالمانہ اور استحصالی سودی نظام، عدل وانصاف کی عدم دستیابی، دہشت گردی اور فرقہ ورانہ محاذ آرائی، باہمی قتل و غارت گری، حرام خوری، چور بازاری، رشوت ستانی، غنڈہ گردی، عریانی، فحاشی، بے حیائی، جان لیوا مہنگائی اور لوٹ کھسوٹ، اب تک فرنگیوں کے مسلط کردہ قوانین کی فرماں روائی اور انہی کے نظام تعلیم کی اندھی تقلید، ایسے لاتعداد منفی عوامل کے ہوتے ہوئے خانہ جنگی اور خونیں انقلاب کے امکانات تو بڑھ سکتے ہیں، لیکن ایک پرامن معاشرہ، یک جہتی کی حامل زندہ قوم اور ایک ناقابل تسخیر نظریاتی، اسلامی فلاحی ریاست کی خواہش پالنا ایسے ہی ہے کہ جیسے کسی شجر سایہ دار، ثمر بار کی جڑوں میں انتہائی خطرناک اور مہلک جراثیم پکے ڈیرے لگا چکے ہوں تو ہم ان کیڑوں کو مارے بغیر صرف درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکا کر اسے سرسبز و پر بہار دیکھنے کی دل خوش کن خواہش کی پرورش کرتے رہیں۔

قارئین گرامی! اس مرحلے پر مفید ہوگا کہ نبی اکرم نور مجسم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کو دہرالیا جائے، جسے ہمارے غیب داں آقا نے ہمارے دور کے قریب نمودار ہونے والے واقعات و حوادث کے متعلق بطور پیش گوئی ارشاد فرمایا تھا:

> ''عنقریب اقوام عالم تمہارے خلاف اس طرح ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کھانا کھانے والے لوگ کھانے کے برتن کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، حاضر صحابہ میں سے ایک نے پوچھا، کیا ہماری تعداد اس وقت کم ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، اس وقت تمہاری تعداد بہت ہوگی لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے خس و خاشاک کی مانند ہو گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رعب اور خوف تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ''وھن'' ڈال دے گا، پوچھنے والے نے پوچھا، ''وھن'' کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی''---

تبصرہ: اس ارشاد مبارک پر سرسری غور سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک ایسا دور آئے گا کہ جب اقوام عالم ہمارے خلاف متحد ہو کر ایک دوسرے کو دعوت دیں گی۔ ہماری ظاہری و باطنی دولت و ثروت کو لوٹیں گی اور ہمارے وسائل پر پوری ڈھٹائی سے ہاتھ صاف کر کے انھیں آپس میں تقسیم کر لیں گی۔ ہم خود ان کے سامنے اپنا دستر خوان لگائیں گے، ان کے منہ میں نوالے دیں گے اور وہ دستر خوان پر موجود ہر چیز چٹ کر جائیں گی، لیکن ان کی بھوک پھر بھی نہیں مٹے گی۔ یہ سب کچھ اس لیے پیش آئے گا کہ ہم اس وقت ایک بلند و بالا مضبوط جڑوں والے اور ہر طوفان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے درخت کی مانند نہیں ہوں گے، ہم امت کی بجائے اس جھاگ اور خس و خاشاک کی مانند ہوں گے جسے معمولی سیلاب بھی بہا کر لے جاتا ہے۔ اگر ہماری آنکھیں مکمل بند نہیں ہوئیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ایک طرف فکری اور مزاجی اختلافات نے ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے تو دوسری طرف دنیوی منفعت اور ہماری ذاتی اور گروہی مصلحتوں نے ہمارے دشمنوں کی مختلف و منتشر صفوں میں وحدت پیدا کر کے انھیں ہمارے مدمقابل لا کھڑا کیا ہے۔ وہ ہم پر غالب ہیں اور ہمیں مسلسل عالمی سطح پر طرح طرح کی ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

یہاں پھر امت مسلمہ کے فکری مرشد علامہ اقبال کو یاد کر لیں، ہم ابھی عید الفطر اس حال میں ''ہجوم بے یقیں'' کی طرح منا کر فارغ ہوئے ہیں کہ روح کائنات، جان ایمان، جن کے دم سے ساری بہاریں ہیں، ان کے مرقد و سبز گنبد کے قریب دہشت گردانہ کارروائی، جن خارجیوں، لعینوں، مردودوں نے کی، ان کے معاونین، سرپرستوں اور سہولت کاروں کو ابھی تک واصل بہ جہنم نہیں کیا جا سکا۔ کروروں عاشقان مصطفیٰ ﷺ کے سینے اس طرح زخمی اور چھلنی ہو گئے کہ ابھی تک ٹیسیں پڑ رہی ہیں، مگر عالم اسلام کے کھسرے حکمران ایک اجتماعی میٹنگ بھی نہیں کر سکے۔ اس سے زیادہ بے غیرتی اور کیا ہو سکتی ہے؟

پاکستان میں غازی ممتاز حسین اعوان قادری کو دشمنان اسلام و پاکستان نے تختۂ دار پر لٹکا دیا اور ہم ابھی تک منتشر ہیں، بلکہ اہل سنت سواد اعظم کی پہلے سے موجود مختلف ٹولیوں اور ٹولوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔

وطن عزیز کی موجودہ مسلح افواج جو مذہبی جنونی خارجیوں، دہشت گردوں اور بھتہ خوروں کا

صفایا کر کے ان کے آخری مورچوں، کمین گاہوں اور ان کے خفیہ بلوں تک تعاقب کرتے ہوئے امن بحال کر رہے ہیں اور اپنے گرم و سرخ خون سے بے مثال شہادتیں جریدۂ عالم پر ثبت کر رہے ہیں، ان کے جرأت مند کمانڈر ان چیف اور مجاہدین کے سپہ سالار پر کسی پیر مغاں، کسی نام نہاد علامہ اور کسی ژولیدہ فکر دستار باز کو اپنی منفی خطابت اور زباں درازی کی مشق سخن کے لیے طبع آزمائی سے گریز کرنا چاہیے کہ فی الوقت ملک و قوم کے اجتماعی امن و سکون کا یہی تقاضا ہے۔ بات علامہ اقبال کی ہونے لگی تھی کہ وہ ''ہلال عید'' کے عنوان سے لکھی گئی نظم میں فرماتے ہیں:

اوج[۱] گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے — اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے
قافلے[۲] دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ — رہروِ[۳] درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ
دیکھ کر تجھ کو افق[۴] پر ہم لٹاتے تھے گہر — اے تہی ساغر[۵]! ہماری آج ناداری بھی دیکھ
فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر — اپنی آزادی بھی دیکھ، ان کی گرفتاری بھی دیکھ
دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیح[۶] شیخ — بت کدے میں برہمن[۷] کی پختہ زُناری بھی دیکھ
کافروں کی مسلم آئینی[۸] کا بھی نظارہ کر — اور اپنے مسلموں[۹] کی مسلم آزاری بھی دیکھ
سازِ عشرت[۱۰] کی صدا مغرب کے ایوانوں میں سن — اور ایراں میں ذرا ماتم کی تیاری بھی دیکھ

چاک کر دی ترکِ ناداں[۱۱] نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

ملکی، قومی اور امت کی سطح پر قائدانہ اور رہنمایانہ کردار تین طبقات ادا کرتے رہے ہیں، ❶ حکمران، ❷ سرمایہ دار خوش حال مترفین، ❸ مذہبی علماء و مشائخ۔ اگر پہلے دو طبقات بگڑ جائیں

---

①...... آسمان کی بلندی، ②...... دشمنان اسلام کے، ③...... تھکا ماندہ مسافر، مراد ہے مسلمان، ④...... آسمان کا کنارہ، ⑤...... خالی پیالہ، مراد پہلی کا چاند، ⑥...... مسلمان مذہبی رہنما کی تسبیح کا ٹوٹا ہوا دھاگہ، مراد باہمی انتشار، ⑦...... ہندو مذہبی رہنما کی اپنے مذہب سے پختہ وابستگی اور ترقی، ⑧...... مسلمانوں کی اچھی پاکیزہ روایات کو اپنا لینا، ⑨...... مسلمانوں کا اپنے ہی بھائی بندوں کو تکلیف پہنچانا، ⑩...... خوشی و مسرت کا باجا، ⑪...... ترکی کا نظام خلافت کو چھوڑ کر مغربی، یورپی طرز حکومت اور رسوم و رواج کو اپنا لینا

اور پٹڑی سے اتر جائیں اور تیسرا مذہبی طبقہ راہ راست پر قائم رہے تو پہلے دو بگڑے ہوئے طبقات کے سنبھلنے اور سنورنے کے امکانات باقی رہتے ہیں اور اگر خدانخواستہ تیسرا طبقہ بھی بگڑ جائے تو پھر تباہی و بربادی سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے، جس کے اب امکانات معدوم ہو چکے ہیں۔

وحی آسمانی کو ماننے والے مذاہب کے مذہبی رہنماؤں اور مشائخ کی جو خرابیاں قرآن کریم نے بیان کی ہیں، ان میں چند نمایاں اور اہم یہ ہیں:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا---

"میری آیات چند ٹکوں (دنیوی اغراض ومفادات) کے عوض مت بیچو"---

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○---[البقرة:۴۲]

"حق سچ کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو جان بوجھ کر (علم رکھنے کے باوجود) حق بات کو چھپالینا"---

اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ---حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے اپنے قلب وضمیر سے فتویٰ طلب کیجیے اور دیانت داری سے جواب دیجیے کہ امم سابقہ کے علماء ومشائخ (راہبوں، پادریوں، ربیوں) کی مذکورہ بالا خرابیوں میں سے کون سی خرابی ایسی ہے جو ہمارے نام نہاد علاموں، شیخی خورے مشائخ اور مفتو مفت مفتیوں میں نہیں پائی جاتی۔ (مستثنیات ہمیشہ موجود رہتے ہیں اور اب بھی ہیں) بات تو ان بالشتیوں کی ہے جن میں سے کوئی ایک بھی شیخ المشائخ، قطب دوراں، غوث زماں اور فلاں اینڈ فلاں سے نیچے ٹکتا ہی نہیں۔

نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی — وہ بندے فقر تھا، جن کا ہلاک قیصر وکسریٰ

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے — گلیم بوذر و دلق اویس و چادرِ زہرا

ooo

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی — ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

[دانائے راز، علامہ اقبال]

وَ اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا

الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًاo---[الاسراء:١٦]

''جب ہم کسی بستی کو (اہل بستی کی مسلسل نافرمانیوں کی بنا پر) ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش حال (وڈیروں، سرداروں اور سرمایہ داروں کو اپنی حکمت تکوینی کے مطابق بالاتر طبقات کے) لوگوں کو احکام بھیجتے ہیں تو پھر وہ اس بستی میں (بغاوت کی حد تک علانیہ) گناہ پھیلا دیتے ہیں، پس اس سے (حق بات پہنچانے، سمجھانے کی) ان پر حجت پوری ہو جاتی ہے، تو پھر ہم اسے (بہت بری طرح) تباہ کر کے برباد کر دیتے ہیں''---

وطن کی فکر کر ناداں، تباہی آنے والی ہے تری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

ہمارے حکمرانوں، سیاست دانوں، قیادتوں کے دعوے داروں، سرمایہ داروں میں کون سا شرعی عیب ہے جو ان میں نہیں پایا جاتا؟ یہی وہ لوگ ہیں (الا ماشاء اللہ) جو پاکستان کو اپنی بدکرداریوں کے ذریعے پلیدستان بنانے پر تلے ہوئے ہیں:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍo---[الشوریٰ:٣٠]

''اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ہے، حالاں کہ (اللہ نے) بہت سے (گناہ) معاف کر دیے ہوتے ہیں''---

ان بگڑے ہوئے عوام اور فاسق و فاجر خواص کو صراط مستقیم کس نے دکھانا تھا؟ حلال و جائز کی برکات اور حرام و ناجائز کے نقصانات سمجھانا کس کا منصبی فریضہ ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ علماء کرام، مشائخ عظام، ائمہ و خطباء، وارثانِ منبر و محراب، روحانی درس گاہوں کے سجادہ نشینان وغیرہم کا کام ہے، لیکن عملی منظر ''تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست'' کا ہے:

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہ و میر و پیر تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی

تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی

دانش و دین و علم و فن، بندگیٔ ہوس تمام عشقِ گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی

[فیلسوف مشرق علامہ محمد اقبال]

صوبہ ''خیبر پختون خواہ'' کے ایک خواہ مخواہ جبہ پوش، سرکاری فنڈ سے ایک ہی لقمے میں تیس کروڑ روپے نگل جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے کہ معدہ ''لکڑ ہضم، پتھر ہضم'' والا رکھتے ہیں، انہی کے ایک اور ہر فن مولا ''پرانے کانگریسی بھائی بند''، ''چیئرمین کشمیر کمیٹی'' کے منصب کی آڑ میں سال ہا سال سے لاکھوں کروروں کا ''مال غنیمت دل بے رحم'' کا مکمل مصداق ہیں۔ کشمیری ذبح ہو رہے ہیں، شہادتیں پیش کر رہے ہیں، عزتیں لٹ رہی ہیں، بھارتی بھیڑیے کشمیری مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ سے تنگ کیے جا رہے ہیں اور پاکستان میں موجود پاکستان کا نمک کھا کر ''نریندر مودی کے پٹھو'' یہاں اس طرح مسلسل نمک حرامی کر رہے ہیں کہ مقبوضہ کشمیر میں سات لاکھ بھارتی مسلح درندوں کی بہیمانہ جارحیت اور تشدد کی مذمت میں ایک ''رسمی بیان'' بھی نہیں دیتے:

پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں | نے جدتِ گفتار ہے، نے جدت کردار
ہو اگر قوت، فرعون کی در پردہ مرید | قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم الٰہی

○○○

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے | حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی | جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

[فکری مرشد خاص، علامہ محمد اقبال]

ہمارے فرعون صفت حکمران قبر حشر کو بھلا کر اپنے غیر ملکی دشمنِ اسلام آقاؤں کے احکام کی بجا آوری کی خاطر وطن عزیز پاکستان کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کی بجائے اس کا نظریاتی امتیاز اور تشخص مٹانے پر جتے ہوئے ہیں۔ لبرل، سیکولر، روشن خیال، ترقی پسند اور نہ جانے کیا کیا الابلا خوش نما الفاظ استعمال کرتے ہوئے لادینیت، اباحیت، بے حیائی اور عریانی و فحاشی کو اس طرح اپنی نگرانی و سرپرستی میں فروغ دے رہے ہیں کہ الامان والحفیظ، نہ شرم نبی نہ خوف خدا

دریں سلسلہ اگر اپنے خالق و مالک کا صرف ایک فرمان ہی سمجھ کر عمل کر لیں تو عزت و نجات پا لیں گے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○ --- [النور:۱۹]

''بلاشبہ جولوگ اہل ایمان میں بے حیائی (فحاشی اور انتہائی برائیاں) پھیلانا پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیاوآخرت میں دردناک عذاب ہے اور (یہ حقیقت) اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے''---

یہ تو اللہ کے آئین ودستور کا صرف ایک حوالہ ہے، اب ''آئینِ پاکستان'' پر ایک نظر ڈال لیں، دفعہ ۳۷ کے الفاظ ہیں:

The promotion of social justice & eradication of social evils.---

''سماجی انصاف کو فروغ دینا اور سماجی برائیوں کو مٹانا''---

ملکی آئین ودستور کا ایک اہم تقاضا ہے جس پر عمل درآمد کا اہتمام وانتظام کرنا ان حکمرانوں کا فرض ہے، جنھوں نے آئینِ پاکستان کے ہمہ پہلو تحفظ کا حلف اٹھا رکھا ہے۔ دفعہ 37-G کے الفاظ ہیں:

The state shall prevent prostitution.---

''ریاست (حکومت) قحبہ گری (کنجر خانے اور طوائف بازی) کو (بہر قیمت، بہر صورت) روکے گی''---

اب ''شریفوں کی حکومت'' کی سرپرستی اور نگرانی میں ٹی وی چینلز کے ذریعے کھلم کھلا جو کچھ ''تبلیغ اسلام'' ہو رہی ہے، اس پر تبصرے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ اسے ''اندھے'' بھی دیکھ رہے ہیں اور مذہبی حوالوں سے ''قرب شاہی'' رکھنے والے بھی ''لطف اندوز'' ہو رہے ہیں۔ عملی نتائج دیکھنا چاہیں تو صرف ''داتا کی نگری، لاہور'' میں آجائیں، اس کی عام آبادیوں، بالخصوص پوش ایریاز میں پولیس کی سرپرستی میں چلنے والے سیکڑوں کنجر خانے اور قحبہ گری کے اڈوں کی نشان دہی کی ذمہ داری ہم قبول کرتے ہیں۔

دلوں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

[مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال]

❀❀❀❀❀
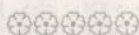
عشرۂ ذی الحجہ

مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری رحمۃ اللہ علیہ

وَ الْفَجْرِ وَ لَیَالٍ عَشْرٍ وَّ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ ---[۱]

''فجر کی قسم اور دس راتوں اور جفت وطاق کی قسم''---

حضرات! مفسرین کرام نے الفاظ بالا کی مختلف تفسیریں فرمائی ہیں۔ یہاں صرف ایک تفسیر ہی نقل کی جاتی ہے---

حضرت مجاہد سے منقول ہے، الفجر سے یوم نحر اور دسویں ذی الحجہ کی فجر مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ عشر سے مراد قربانی کی دس راتیں، یعنی ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں اور الوتر سے مراد، عرفہ کا دن اور الشفع سے مراد یوم نحر ہے---

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے دس راتوں، عرفہ اور یوم نحر کی قسم بیان فرما کر ان کی شان کو واضح فرما دیا ہے۔ یوں ہی احادیث طیبہ میں جناب نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی شان بیان فرمائی ہے---

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''دنوں سے کوئی دن بھی نہیں جن میں نیک کام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان دنوں سے

زیادہ محبوب ہو''---

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان کے برابر نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

''جہاد فی سبیل اللہ بھی برابر نہیں، البتہ ایسے مرد کا جہاد جو اپنے نفس اور مال کے ساتھ نکلا، پھر اس سے کوئی چیز نہ لوٹائے، یعنی شہید کیا جائے اور اس کا مال لوٹا جائے''---[۲]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ اَیَّامٍ اَفْضَلُ مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّۃِ---[۳]

''ذوالحجہ کے دس دن سے زیادہ فضیلت والا اور کوئی دن نہیں ہے''---

عشرۂ ذی الحجہ کے روزے

اس حدیث شریف کے بعد ان دنوں کی افضلیت ہویدا کرنے کے لیے حضرت شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ فقہیہ ذکر فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں:

لَوْ نَذَرَ صِیَامَ اَفْضَلِ اَیَّامِ السَّنَۃِ انْصَرَفَ اِلٰی ھٰذِہِ الْاَیَّامِ وَ اِنْ نَذَرَ صَوْمَ یَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْ سَائِرِ الْاَیَّامِ فَاِلٰی یَوْمِ عَرَفَۃَ---[۴]

''جب کوئی آدمی سال کے بہترین دنوں کے روزے کی منت مانے تو اس کی منت ان دنوں کی طرف لوٹے گی اور اگر ایسے دن کی منت مانی جو باقی تمام دنوں سے افضل ہو تو اس کی منت عرفہ کے دن کی طرف لوٹے گی''---

مذکورہ بیان سے ان دنوں کی افضلیت اور بزرگی اور ان دنوں میں ہر نیک کام کرنے کی شان خوب ظاہر ہوئی، ان ایام میں روزے کی فضیلت میں خصوصی حدیثیں ہیں---حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دنوں میں کوئی دن بھی ایسے نہیں، جن میں عبادت کیا جانا اللہ تعالیٰ کو ان دنوں سے زیادہ محبوب ہو، ان میں سے ہر دن کا روزہ سال کے روزوں کے برابر اور ہر رات کی عبادت، شب قدر کی عبادت کے برابر ہے''---[۵]

(عرفہ) ۹/ ذی الحجہ کا روزہ

کنز العمال میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص ان دنوں میں روزہ رکھے تو عرفہ کے دن کے سوا ہر دن کے بدلے

سال کے روزوں کا ثواب لکھا جاتا ہے، پس جو عرفہ (نویں ذی الحجہ) کو روزہ رکھے تو اس کے لیے دو سالوں کے روزے لکھے جاتے ہیں"---[٦]

صحیح مسلم کی ایک حدیث شریف میں ہے:

سُئِلَ عَنْ يَوْمِ عَرَفَةَ فَقَالَ يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ---[٧]

"حضور ﷺ سے یوم عرفہ کے روزے کا سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ وہ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ مٹاتا ہے"---

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی، حضرت شیخ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے مکاشفة القلوب میں حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، ایک نوجوان جب ذی الحجہ کا چاند نظر آتا، تو روزے رکھتا تھا، یہ بات آں حضرت ﷺ کو پہنچی، آپ نے کسی کو بھیج کر اسے بلایا، پس آپ نے فرمایا:

"ان دنوں کے روزے پر تجھے کیا چیز برانگیختہ کرتی ہے"---

اس نے عرض کی کہ یہ حج کے مشاعر کے دن ہیں، امید ہے کہ حجاج کی دعا میں اللہ تعالیٰ مجھے بھی شریک فرمائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک تیرے لیے ہر ایسے دن کے بدلے، جس میں تو روزہ رکھے، سو گردنوں کے آزاد کرنے اور جہاد میں سو اونٹوں اور سو گھوڑوں پر سوار کرنے کی مانند ثواب ہے اور جب ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کا دن ہو تو تیرے لیے ہزار گردنوں کے آزاد کرنے اور جہاد میں ہزار اونٹوں اور ہزار گھوڑوں پر سوار کرنے کی مثل ثواب ہے اور جب عرفہ (نویں ذی الحجہ) کا دن ہو تو تیرے لیے دو ہزار گردنوں کے آزاد کرنے اور جہاد میں دو ہزار اونٹ اور دو ہزار گھوڑوں پر سوار کرنے کے برابر اجر ہے اور وہ (عرفہ کا روزہ) دو سالوں کے روزے کی مانند ہے، سال گزشتہ اور سال آئندہ کے"---[٨]

ایک دوسری روایت میں ہے:

يَعْدِلُ صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ بِصَوْمِ سَنَتَيْنِ وَيَعْدِلُ صَوْمُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ بِصَوْمِ سَنَةٍ---[٩]

"عرفہ کا روزہ دو سالوں کے روزوں کے برابر ہے اور عاشوراء کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے"---

حکمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوم عاشوراء ملا تھا کہ اس دن آپ کو فرعون سے نجات ہوئی اور وہ غرق ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم عرفہ عطا کیا گیا کہ اسی دن اکمال دین کا مژدۂ جاں فزا دیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں، لہٰذا آپ کا دن یوم عرفہ بھی عاشوراء سے بہتر ہے اور اسی میں روزہ کا ثواب بھی دوگنا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرمارہے ہیں:

اَلْوَیْلُ لِمَنْ حُرِمَ خَیْرَ اَیَّامِ الْعَشْرِ عَلَیْکُمْ بِصَوْمِ التَّاسِعِ خَاصَّۃً فَاِنَّ فِیْہِ مِنَ الْخَیْرَاتِ اَکْثَرَ مِنْ اَنْ یُّحْصِیَھَا الْعَادُّوْنَ---[۱۰]

''ایسے شخص کے لیے افسوس جو ان دس دنوں کی بہتری سے محروم رہا اور نویں کے روزے کو بالخصوص لازم پکڑو کہ اس میں شمار کرنے والوں کے شمار سے زائد بہتریاں ہیں''---

ان کے علاوہ اور بھی کافی احادیث و اقوال مبارکہ ان دنوں کے فضائل میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے---آمین

ایام مذکور میں حجامت

مستحب یہ ہے کہ جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ ان دنوں میں حجامت نہ بنوائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب یہ دس دن آجائیں اور تم سے کوئی قربانی کرنا چاہتا ہو تو اپنے ناخن نہ کاٹے''---[۱۱]

حوالہ جات

۱...... الفجر، ۸۹:۱تا۳

۲...... صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق

۳...... ماثبت بالسنۃ، صفحہ ۹۸ ۴......ایضاً

۵...... ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۲۴ ۶...... کنز العمال

۷...... صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۸۱۹ ۸...... تنبیہ الغافلین، صفحہ ۱۷۰

۹......مرجع سابق ۱۰......ایضاً صفحہ ۱۷۱ ۱۱...... مشکوٰۃ، صفحہ ۱۲۷

پہلی قسط
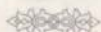
حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

صاحبزادہ محمد بلال مصطفیٰ مجددی

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی سے تقریباً دو ہزار سال پہلے کا زمانہ تھا، جب عرب وعجم کے وسیع علاقوں پر نمرود جیسے دیو قامت، جابر، مطلق العنان بادشاہ کی حکومت قائم تھی، باقی حکمران اس کے باج گزار تھے۔ اس کا پایہ تخت ار''بابل'' تھا، جو جدید جغرافیہ کے مطابق عراق کے نام سے شہرت پذیر ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ نے کھدائی کی تو خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے دارالحکومت بغداد کے قریب اس شہر کے آثار نمودار ہوئے، اس دور میں ہر طرف کفر وشرک کی شب ظلمات طاری تھی، اشرف المخلوقات انسان سورج، چاند، ستاروں اور سونے، چاندی، مٹی اور لکڑی کے بتوں کی پوجا کر کے ارذل المخلوقات بن چکا تھا، خود وہ ظالم وجابر حکمران اپنی عبادت کرواتا تھا، لوگ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور کشکول گدائی لے کر آرزوؤں کی بھیک مانگتے تھے، بابل پر اس کا اقتدار پوری طاقت کے ساتھ قائم تھا۔

امام ابن خلدون نے اس بابل کا کروفران الفاظ میں لکھا ہے:

''شہر بابل مربع شکل میں تھا، اس کے اردگرد فصیل کی گولائی ۸۰ میل تھی، وہ دوسو ہاتھ بلند تھی اور پچاس ہاتھ چوڑی تھی، فصیل میں تانبے کے سو دروازے تھے، اس پر محافظوں کی رہائش گاہیں بنی تھیں، اس کے اردگرد بہت وسیع خندق تھی، جس میں پانی بھرا ہوتا تھا'' ---[۱]

دو ہزار قبل مسیح سلطنت بابل اوج وکمال پر تھی، اس کی مالی واقتصادی حالت مستحکم تھی، فوجی وعسکری قوت زبردست تھی، دولت کثیر اور امن بسیط نے بادشاہ کے دماغ میں اس قدر نخوت اور غرور پیدا کر دیا تھا کہ شاہی معبد اعظم میں اس نے سونے کا بت سجا رکھا تھا اور رعایا کو حکم تھا کہ اس کی عبادت کریں اور اس کو سجدہ کریں، اس کی نذر نیاز مانیں اور اسی سے مشکلات میں مدد طلب کریں۔[۲]

نجومیوں کی پیش گوئی

روایات میں مذکور ہے کہ نمرود کا اقتدار تقریباً تین سو سال تک جاری رہا، اقتدار کے آخری دورانیے میں نجومیوں نے اطلاع دی کہ عنقریب تیری سلطنت میں ایک عظیم بچہ پیدا ہوگا، جو تیرے اقتدار کے زوال کا باعث ہوگا۔ اس نے ہزاروں بچے قتل کروا دیے اور مردوں عورتوں کو اختلاط سے روک دیا تاکہ وہ عظیم انسان پیدا نہ ہو جائے۔[۳]

اسے کیا خبر تھی کہ جس چراغ کو خدا تعالیٰ جلانا چاہے دنیا کی کوئی طاقت اسے بجھا نہیں سکتی۔ چنانچہ اس عظیم انسان کی ولادت کا وقتِ ہمایوں آ گیا، جسے زمانہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام نامی اسم گرامی سے جانتا پہچانتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی ولادت اور پرورش میں قدرت الٰہی کے معجزے کارفرما تھے۔

ولادت با سعادت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے:

ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن ارغو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام ---[۴]

آپ کے چچا کا نام آزر تھا، جو بت تراش بھی تھا اور بت فروش بھی، آپ کے والد گرامی حضرت تارخ آپ کی ولادت باسعادت کے وقت انتقال فرما چکے تھے، آپ کی والدہ جنابہ نونا بہت ذہین اور پارسا خاتون تھیں، وہ ولادت کے وقت ایک پہاڑ کی غار میں چلی گئیں، انہوں نے آپ کو وہاں چھوڑا اور اپنے شہر لوٹ آئیں کہ کہیں کسی سرکاری ہرکارے کو خبر نہ ہو جائے۔ آپ کی جائے ولادت کے متعلق خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک جائے ولادت بابل ہے، بعض کے نزدیک سوس ہے، بعض کے نزدیک اہواز ہے، بعض کے نزدیک کوثی ہے۔ ڈاکٹر نفیسی کے مطابق کرمان میں ایک پہاڑ ابراہیم کے نام سے موسوم ہے۔ ابراہیم عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے 'موجد عظمت'، ان کی پیدائش کلدہ کے مضافات میں ہوئی اور وصال فلسطین کے قریب عبرت میں ہوا۔[۵]

تورات کے مطابق کسدیوں کا شہر "ار" ان کی ولادت گاہ تھی، یہ شہر دریائے فرات کے موجودہ پاٹ سے چھ میل کے فاصلے پر موجود تھا، جہاں اب مغیر نامی ٹیلا موجود ہے۔[٦]

آپ کے آباء واجداد عجمی تھے اور عبرانی بولتے تھے۔[۷]

آپ کو ابراہیم، ابراہام، براہم اور براہمہ کے مبارک ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

فطرت کی حنا بندی

حضرت ابراہیم علیہ السلام قدرتِ خداوندی کے معجزات سے پروان چڑھتے رہے، جب کبھی مادر مہربان زمانے سے دامن چھڑا کر اپنے لخت جگر کو دیکھنے آتیں تو دیکھ کر حیران ہو جاتیں کہ آپ کا انگوٹھا مبارک منہ میں ہوتا اور اس سے شیر و شہد کے سوتے پھوٹ رہے ہوتے۔ انہیں یقین کامل ہو چکا تھا کہ یہ وہی عظیم انسان ہے جو بہت جلد جوان ہو کر تخت نمرودی کے لیے قیامت برپا کر دے گا اور اس کا غرور اقتدار خاک میں ملا دے گا۔ آپ عام بچوں کی نسبت بہت تیزی سے پرورش پا رہے تھے، یہاں تک بھی مذکور ہے کہ عام بچے ایک ہفتے میں جتنا پروان چڑھتے تھے، آپ ایک دن میں پروان چڑھتے تھے:

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

جب آپ قلیل مدت میں عنفوان شباب کو پہنچ گئے اور قوم کے درمیان گھومنے پھرنے لگے تو کسی کے وہم وخیال میں بھی نہیں تھا کہ آپ اس ''دور منصوبہ بندی'' میں پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کی کفالت آپ کے چچا آزر کے ذمے تھی، اس لیے آپ نے ازراہِ شفقت اس کے لیے لفظ ''اَبِیْ''، یعنی میرے باپ استعمال فرمایا ہے۔ اس لفظ سے بعض حضرات کو گمان لاحق ہوا ہے کہ معاذ اللہ آپ کا باپ کافر تھا۔ آپ بہت حسین وجمیل نوجوان تھے، پیشانی اقدس میں نور محمدی ﷺ کی جلوہ ریزیاں پورے جوبن پر تھیں، جو ایک بار دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ آپ کے چچا آزر نے آپ کو اس کام پر لگایا کہ آپ اس کے تراشے ہوئے اصنام اور اوثان بازار میں فروخت کیا کریں۔ آپ مجسموں کے گلے میں پھندہ ڈال کر گھسیٹتے اور فرماتے! کیا یہ خدا کہلانے کے قابل ہیں جو آپ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے؟ ایک دن تو آپ نے اپنے چچا آزر سے فرمادیا:

یَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا○---[۸]

''اے میرے باپ! تم اس کی پوجا کیوں کرتے ہو جو سنتا، دیکھتا نہیں اور کسی طرح تیری مدد نہیں کرسکتا''

ایک بار یہ ہوا، جس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

وَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِیْمُ لِأَبِیْهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّیْ أَرَاكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ○---[۹]

''اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ تم بتوں کو معبود بناتے ہو، بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں''---

قرآن پاک کے ایک مقام کے مطابق آزر نے آپ کو سنگ سار کرنے کی دھمکی بھی دی مگر آپ کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شروع دن سے قلب سلیم اور عقل عظیم سے سرفراز فرمایا تھا، آپ کائنات میں غور وفکر کرنے لگے اور اپنی قوم کی حالت زار پر کبیدہ خاطر ہونے لگے۔ آپ نے عقل وشعور کے دلائل کے ساتھ قوم کے نظریات کا رد بلیغ فرمایا، جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ آپ کی قوم ستارے، چاند اور سورج کی بھی پرستار تھی، آپ نے اس کے اس عقیدے پر کاری ضرب لگائی، قرآن پاک نے کیا خوب منظر کشی فرمائی ہے:

''اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو ساری بادشاہیاں آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے، پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا، ایک تارا دیکھا، بولے: اسے میرا رب ٹھہراتے ہو، پھر جب وہ ڈوب گیا، بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے، پھر جب چاند چمکتا دیکھا، بولے: اسے میرا رب ٹھہراتے ہو، پھر جب وہ ڈوب گیا، کہا: اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہی گمراہوں میں ہوتا، پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا، بولے! اسے میرا رب کہتے ہو، یہ تو ان سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ ڈوب گیا، کہا: اے قوم میں بے زار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسماں اور زمیں بنائے، ایک اسی کا ہو کر، اور میں مشرکوں میں نہیں، اور اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی، کہا: کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، وہ تو مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں جنھیں تم شریک بتاتے ہو''---[۱۰]

اس ہدایت سے ناآشنا قوم کے سامنے یہ پہلی صدائے حق تھی جو اس عظیم علم بردار حق نے بلند کی اور اس کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے کمربستہ ہو گیا:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

قوم کا سالانہ جشن

قوم بابل کا دستور تھا کہ ہر سال کی مخصوص تاریخوں کو شہر سے باہر نکل کر عیش و عشرت اور لہو و لعب کا ارتکاب کرتی، ان کی انسانیت سوز حرکات سے چشم فلک بھی شرمندہ ہو جاتی، حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کے اسی جشن عیش کے منتظر تھے، آپ ان کے عقائد و عزائم پر ایک اور بھرپور وار کرنا چاہتے تھے، جب وہ وقت آ گیا اور قوم اپنے دستور کے مطابق باہر نکل گئی، کچھ لوگوں نے آپ کو بھی لے جانا چاہا مگر آپ نے معذوری ظاہر فرمائی، بعد ازاں آپ

بت خانے میں آئے اور اپنے تیشہ عبرت کے ساتھ تمام بتوں کے پرخچے اڑا دیے، پھر تیشہ بڑے بت کے کندھے پر رکھا اور پورے جلالِ نبوت کا مظاہرہ کر کے چلے گئے۔ جب قوم واپس آئی تو بتوں کی تباہ حالی پر نوحہ سرا ہو گئی، کہنے لگی:

- ''ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے، بے شک وہ بہت ظالم ہے'' ---[۱۱]
- ''بولے؛ ہم نے تو ایک جوان کے متعلق سنا ہے جو ان (بتوں) کا ذکر کرتا ہے، اسے ابراہیم کہتے ہیں'' ---[۱۲]
- ''بولے: اسے لوگوں کے سامنے پکڑ لاؤ شاید وہ اس کے متعلق کوئی گواہی دے'' ---[۱۳]
- ''(جب آپ کو لایا گیا تو) بولے: کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے، اے ابراہیم!'' ---[۱۴]
- ''وہ بولے؛ بلکہ ان کے بڑے (بت) نے کیا ہو گا، ان (سب بتوں) سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہوں'' ---[۱۵]
- ''پھر وہ اپنے جی کی طرف پلٹے اور بولے؛ بے شک تم ہی ستم کار ہو، پھر اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے، فرمایا: تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے، اُف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں'' ---[۱۶]

نارِ نمرود کی تیاریاں

جب مشرکوں کی ہٹ دھرم قوم آپ کے دلائل توحید کے سامنے لاچار ہو گئی تو آپ کی جانِ عزیز کی دشمن بن گئی، آپ کو ایک مکان میں قید کر دیا گیا، یقیناً یہ تمام معاملات دربارِ نمرود تک بھی پہنچ چکے ہوں گے اور شاید اسی دورانیے میں وہ تاریخی واقعہ بھی پیش آیا ہو گا جسے قرآن پاک نے بڑے اہتمام سے بیان فرمایا ہے۔ آپ دربارِ نمرود میں پہنچے اور اس کے ساتھ مناظرہ کیا۔ حضرت ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ لوگ دربارِ نمرود میں جھولیاں پھیلاتے تھے، وہ ان سے پوچھتا تھا کہ تمہارا رب کون ہے، وہ کہتے تھے کہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اس نے یہی سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی کیا، آپ نے فرمایا:

میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، اس نے کہا: میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں، یعنی جس کو چاہتا ہوں زندہ چھوڑ دیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں۔ آپ نے اس جاہل کے لیے اور دلیل پیش کر دی، میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو اسے مغرب سے طلوع کر (کے دکھا)، اس دلیل پر کافر کے ہوش ہی اڑ گئے۔ نمرود اپنے دربار میں اس حق گوئی اور بلند ہمتی کا عادی نہیں تھا، وہ سوچتا تو ہوگا کہ شاید یہی وہ عظیم انسان ہے جو میرے اقتدار کو ختم کر دے گا، پھر اس نے اور اس کی قومِ بدکار نے فیصلہ کیا کہ آپ کو زندہ جلا دیا جائے اور یہ نشان حق شناسی ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جائے۔ وہ یک زبان ہو کر بولے:

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا آلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ۝---[۱۷]

''اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کوئی کام کرنا ہے''---

تمام قوم دیوانہ وار نار نمرود کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی، ایک مہینہ بہ کوشش تمام، قسم قسم کی لکڑیاں جمع کیں اور ایک عظیم آگ جلائی، جس کی تپش سے ہوا میں پرواز کرنے والے پرندے بھی جل جاتے[۱۸] اس مقام پر یہ مثالیں بھی سامنے آتی ہیں کہ ابابیل اپنی چونچ میں پانی کے قطرے لا کر آگ پر پھینکتی، جب کہ کرلی اسے اپنی پھونکوں سے اور تیز کرنے کی کوشش کرتی۔ یہ جذبے ہیں، حسین جذبے اور قبیح جذبے، ابابیل کے قطروں سے آگ بجھ نہیں سکتی اور کرلی کی پھونکوں سے تیز نہیں ہو سکتی تھی، لیکن دونوں کے اندر کا اظہار تو ہو رہا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیشہ محبوبانِ خدا کے ساتھ رہو، قیامت کے دن آگ لگانے والوں میں نہیں، آگ بجھانے والوں میں شمار ہوگا۔

اور پیغام سلامتی آ گیا

آگ پوری قہرمانیوں کے ساتھ جل رہی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالنا بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا، مذکور ہے کہ ابلیس لعین نے قوم نمرود کو مشورہ دیا کہ منجنیق (گوپھن) کھڑی کرو، پھر آپ کو باندھ کر اور اس میں رکھ کر پوری طاقت کے ساتھ آگ میں پھینک دو۔ انہیں یہ مشورہ پسند آیا، جب پوری تیاری ہوگئی، حور و غلمان دم بخود ہو گئے، چشم فلک گریہ زن

ہوگئی، روئے زمین پر ایک خدا پرست ہے اور اسے بھی زندہ جلانے کی تیاری ہو چکی ہے، اے بار الٰہ کب تیری امداد کا ظہور ہوگا، کب تیری رحمت کے سہارے بڑھیں گے، کب تیرا پیغمبر حق کفر کے طوفان سے مامون ہوگا۔ حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے اور پوچھا: کیا مجھ سے کوئی کام ہے، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا: مجھے تم سے کوئی کام نہیں، مجھے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ انہوں نے عرض کیا: پھر اپنے رب سے سوال کیجیے، آپ نے فرمایا: اس کا میرے حال کو جاننا میرے لیے کفایت کرتا ہے۔

آخر قوم نے پوری طاقت سے منجنیق چلائی اور آپ کو آگ کے ابلتے ہوئے طوفان میں پھینک دیا، قوم تو خوش ہونے لگی کہ آگ نے انہیں آناً فاناً جلا کر خاکستر بنا دیا ہوگا، مگر ادھر نصرت خداوندی کا نزول ہو چکا تھا، دستِ رحمت نے پیغمبر برحق کی جان اور ناموس کی لاج رکھ لی تھی، آوازِ لاہوتی نے آگ کے بھی اوسان خطا کر دیے:

یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ ۝---[۱۹]

''اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی والی ابراہیم پر''---

آگ نے آپ کی بندش کے سوا اور کچھ نہ جلایا، اس کی گرمی زائل ہوگئی اور روشنی باقی رہی، نار کی بجائے گل و گلزار کا ماحول پیدا ہو گیا، اس ماحول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام قدرت خداوندی کے نظارے دیکھ کر مسکرا رہے تھے اور اظہار تشکر فرما رہے تھے۔ فرمان خدا ہے:

''انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا''---[۲۰]

جادۂ حق کے مسافر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جلیل القدر معجزہ دیکھ کر بھی نمرود اور اس کی قوم کے اساطین دولت ایمانی سے مشرف نہ ہوئے بلکہ الٹا اور زیادہ اذیت رسانی پر اتر آئے۔ ان کی اس کمینہ خصلت کی وجہ سے عذاب الٰہی نازل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھروں کی لاتعداد فوجیں ان پر مسلط کر دیں اور وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر واصل جہنم ہو گئے۔ مذکور ہے کہ ایک مچھر نمرود کی ناک کے راستے دماغ تک پہنچ گیا اور اسے اندر سے پاش پاش کرنے لگا۔ نوبت یہاں تک آگئی

کہ اس کے ماننے والے اس کی جوتوں کے ذریعے مرمت کرنے لگے، آخر وہ قوم سے سجدہ کروانے والا مطلق العنان حکمران قوم کے جوتوں سے فنا فی النار ہوگیا:

دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

چند خوش نصیب لوگ جادۂ حق کے مسافر بن گئے، جن میں حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام بہت نمایاں تھے۔ایک اور روایت کے مطابق کوئی بھی انسان مسلمان نہیں ہوا، آپ حران آگئے، وہاں آپ کے چچا ہاران کی خوبصورت بیٹی، جس کا نام سارہ بنت ہاران تھا، حضرت سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام نے آپ کا کلمہ پڑھا، پھر ان اہل ایمان نے اپنا آبائی علاقہ چھوڑا اور ارض برکات کی طرف ہجرت فرمائی تاکہ انوار حق کو زمانے میں عام کیا جائے۔

شادی خانہ آبادی

آپ نے سارہ بنت ہاران سے شادی فرمائی اور ان سے معاہدہ فرمایا:

''تم میری فرماں بردار رہنا اور میں بھی تمہاری بات مانوں گا''---[۲۱]

اللہ نے ان کو بہت حسن و جمال اور اخلاق و خصائل سے نوازا تھا، واضح رہے کہ ہاران نام کے دو شخص تھے، ایک آپ کے بھائی تھے اور دوسرے آپ کے چچا تھے، جن کو ہاران اکبر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔حضرت سارہ، ہاران اکبر کی دختر مبارک تھیں، اس طرح وہ آپ کی چچا زاد تھیں اور چچا زاد سے شادی اُس وقت بھی جائز تھی اور اِس وقت بھی جائز ہے[۲۲]ایک روایت کے مطابق وہ حران کے بادشاہ کی بیٹی تھیں۔[۲۳]

بہر حال آپ نے ارادہ فرمایا کہ اپنی زوجہ محترمہ کو لے کر ہجرت کر جائیں اور کسی ایسے علاقے میں اقامت پذیر ہو جائیں جہاں آزادی سے اپنے پروردگار کی عبادت کر سکیں اور لوگوں تک پیغام توحید پہنچا سکیں۔آپ نے نہایت مختصر سا قافلہ تیار کیا، آپ کی اگلی منزل مصر تھی، وہاں کا فرعون رقیون بہت ظالم و جابر تھا، لوگوں کی حسین و جمیل عورتیں چھین لیا کرتا تھا، جب آپ مصر کی حدود میں داخل ہوئے تو اس کے ہرکاروں نے اسے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے جمالِ صورت کے متعلق آگاہ کر دیا۔بادشاہ کی نیت خراب ہوگئی، اس نے آپ کو طلب کیا اور پوچھا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میری بہن ہے (یعنی چچا زاد بہن ہے یا دینی بہن ہے)،

پھر آپ نے حضرت سارہ کو آگاہ کر دیا اور فرمایا: میری تصدیق کرنا، فرعون نے حضرت سارہ کو اپنے محل میں طلب کیا اور برے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ خشک ہو گیا یا بروایت دیگر اس کو اللہ نے پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا۔ اس کے ہوش اُڑ گئے، پھر اس نے بہت منت وسماجت کی تو انہیں رحم آ گیا اور دعا مانگی: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو اس کا ہاتھ دوبارہ صحیح کر دے یا اسے نجات عطا کر دے۔ اس کا ہاتھ صحیح ہو گیا یا اسے زمین سے نجات مل گئی تو اس نے دوسری مرتبہ پھر وہی حرکت کی اور دوبارہ اسی عذاب سے دوچار ہوا، پھر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی دعا سے اسے نجات ملی۔ آخر وہ کہنے لگا یہ تو کوئی جن ہے۔ پھر اس نے جناب ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خدمت میں پیش کر دیا (واقعہ مختلف الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے) روایات میں آتا ہے کہ محل کے اندرونی حالات حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی نگاہ نبوت سے مشاہدہ فرما رہے تھے۔

جناب ھاجرہ کون تھیں

مستشرقین کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ایک کنیز تھیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور پھر بعد میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنیز کی نسل سے پیدا ہوئے، ان کا یہ نظریہ غلط ہے، علامہ سہیلی، علامہ طبری اور علامہ عسقلانی رحمہم اللہ جیسے محققین نے ثابت کیا ہے کہ وہ ایک قبطی بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ [۲۴]

قاضی سلیمان منصور پوری نے لکھا ہے:

"یہودیوں کے زبردست مفسر تورات ربی شلومو اسحاق نے باب ۱۶، کتاب پیدائش کی تفسیر میں حضرت ہاجرہ کی بابت مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں کہ وہ فرعون (مصر) کی بیٹی تھیں، جب اس نے کرامات کو دیکھا جو بوجہ سارہ واقع ہوئی تھیں تو کہا کہ میری بیٹی کا اس گھر میں خادمہ ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔ اس شہادت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی دختر تھیں، شاہ مصر پر حضرت سارہ کی عظمت اس قدر طاری ہو گئی تھی کہ اس نے اپنی بیٹی کو بطور خادمہ ان کے ساتھ کر دینا اپنے اور اپنے خاندان کے لیے

فخر وعزت کا باعث سمجھا''---[۲۵]

بعض روایات کے مطابق آپ پہلے فلسطین گئے اور وہاں سے قحط سالی کے دوران مصر تشریف لے گئے، پھر وہاں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ پیش آیا۔

فلسطین میں رہائش

حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت سارہ اور حضرت حاجرہ علیہم السلام جیسے تقدس مآب افراد پر مشتمل مختصر سا قافلہ ہدایت وہاں سے رخصت ہوا اور فلسطین کی طرف چلا، اہل فلسطین ان سے از حد متاثر ہوئے اور بہت سی زمین ان کی نذر کر دی، آپ نے مقام السبع میں رہائش گاہ بنائی، حضرت لوط علیہ السلام وہاں سے چوبیس گھنٹے کی مسافت پر واقع مقام الموتفکہ میں جا بسے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا، بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رملہ اور ایلیا کے درمیان مقام قط میں تشریف لے آئے، یہ تمام علاقے بہت زرخیز اور سرسبز وشاداب تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع باغات، چراگاہیں، جانوروں کے ریوڑ اور غلام عطا فرمائے، آپ اس کی عبادت کرتے اور لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے اور مہمانوں کی دیکھ بھال کرتے، آپ بہت زیادہ سخی تھے، اکیلے کھانا کھانا پسند نہیں کرتے تھے، اگر کوئی آدمی نہ آتا تو کسی کو تلاش کر کے کھانا کھلاتے، ایک مرتبہ فرشتوں نے آپ کو آزمانا چاہا، وہ انسانی شکل میں تسبیحات پڑھتے ہوئے آپ کے قریب آئے، آپ نے سارا ریوڑ ان کی نذر کر دیا اور پھر خود ان کی خدمت کے لیے تیار ہو گئے، انہوں نے کہا کہ ہم تو خود آپ کے خادم ہیں، آپ کے مال کی آزمائش کے لیے آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آزمائش میں بھی کامیاب کر دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ قیام فلسطین کا ہی یہ واقعہ ہو جس میں آپ نے عرض کیا:

میرے پروردگار! مجھے دکھا دے تو کس طرح مردے زندہ کرے گا، فرمایا: کیا تمہیں یقین نہیں، عرض کیا: یقین کیوں نہیں، مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔ فرمایا: چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لو پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر انہیں بلاؤ تو وہ تمہارے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔[۲۶]

بعض کے نزدیک یہ واقعہ موت کے وقت پیش آیا۔[۲۷]

بعض روایات کے مطابق جب آپ نے فلسطین بیت المقدس میں سکونت اختیار کی

تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نمرود کے پاس بھیجا تا کہ آپ اسے دعوت توحید و رسالت دیں، وہاں بہت سے معجزات کا ظہور ہوا، مچھروں کا عذاب نازل ہوا مگر وہ اور اس کے اکثر ساتھی مسلمان نہ ہوئے، آخر واصل جہنم ہو گئے۔ آپ واپس شام آ گئے، قوم کے بہت سے افراد بھی آپ کے ہمرکاب ہو گئے، اس طرح آپ نے شام میں رحبہ، رقیہ، حلب احمر اور دمشق جیسے شہر آباد کیے، فلسطین میں کنعان کے مقام پر بھی تشریف فرما ہوئے، الغرض آپ علیہ السلام جدھر بھی جاتے توحید و رسالت کی صدائیں بلند ہونے لگتیں۔ وقت گزرتا رہا اور آپ تبلیغ و دعوت کے کاموں میں مصروف رہے۔

حوالہ جات

۱..... تاریخ ابن خلدون، جلد۲، صفحہ ۱۳۵
۲..... تاریخ مکہ، صفحہ ۷۶
۳..... تاریخ مکہ، صفحہ ۷۶
۴..... تاریخ طبری، جلد۱، صفحہ ۱۹۹
۵..... تاریخ الہدیٰ، صفحہ ۴۰۸
۶..... مرجع سابق
۷..... تاریخ انبیاء لابن کثیر، جلد۱، صفحہ ۶۸
۸..... مریم: ۴۲
۹..... الانعام: ۷۴
۱۰..... سورۃ الانعام: ۷۵ تا ۸۰
۱۱..... سورۃ الانبیا: ۵۹
۱۲..... سورۃ الانبیاء: ۶۰
۱۳..... سورۃ الانبیاء: ۶۱
۱۴..... سورۃ الانبیاء: ۶۲
۱۵..... سورۃ الانبیاء: ۶۳
۱۶..... سورۃ الانبیاء: ۶۴ تا ۶۷
۱۷..... سورۃ الانبیاء: ۶۸
۱۸..... خزائن العرفان، صفحہ ۵۸۹
۱۹..... سورۃ الانبیاء: ۶۹
۲۰..... سورۃ الانبیاء: ۷۰
۲۱..... جامع التواریخ، صفحہ ۲۱
۲۲..... تاریخ طبری، جلد۱، صفحہ ۱۲۵
۲۳..... مرجع سابق
۲۴..... الروض الانف، جلد۱، صفحہ ۱۶
۲۵..... رحمۃ للعالمین، جلد۲، صفحہ ۴۳
۲۶..... سورۃ البقرہ: ۲۶۰
۲۷..... تفسیر خازن

[بشکریہ ماہ نامہ پیغام نور، شکر گڑھ]

*****

قربانی

فضیلت و اہمیّت اور احکام و مسائل

مولانا محمد ناصر خان چشتی

ماہِ ذوالحج ہر سال بھر کے بعد جب آتا ہے تو جذبۂ تسلیم و رضا اور جذبۂ ایثار و قربانی بھی ہمراہ لاتا ہے۔ قمری سال کے اس آخری مہینے کا مقدس چاند جونہی طلوع ہوتا ہے، تسلیم و رضا کی لازوال داستان کی یاد بھی ساتھ لاتا ہے۔ اس ماہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ کو دنیا بھر کے کروڑوں صاحب نصاب مسلمان اسوۂ ابراہیمی کی یاد تازہ کرنے کے لیے قربانی کرتے ہیں۔

عید قربان! مسلمانوں کا عظیم مذہبی تہوار ہے، جو ہر سال ۱۰-۱۱-۱۲ رذوالحجہ کو انتہائی عقیدت و محبت، خوشی و مسرت، ذوق و شوق، جوش و خروش اور جذبۂ ایثار و قربانی سے منایا جاتا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا تن، من، دھن قربان کرنے کے عہد کی تجدید ہوتی ہے اور یہی مسلمانوں کی عید ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے عظیم فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مقدس ذکر قیامت تک فضاؤں اور ہواؤں میں گونجتا رہے گا۔ قرآن و حدیث کے صحیفوں میں محفوظ رہے گا اور آسمان کی رفعتوں اور زمین کی وسعتوں میں ہر سال یونہی تازہ اور زندہ ہوتا رہے گا۔

قربانی کا معنٰی و مفہوم

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں متعدد مقامات پر قربانی کا ذکر آیا ہے۔ قربانی کا لفظ

''قرب'' سے لیا گیا ہے۔ عربی زبان میں قربان! اس چیز کو کہتے ہیں، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ جب کہ اصلاحِ شریعت (Tarm-e-Islamic) میں اس سے مراد ذبح حیوان مخصوص بنیة القربة فی وقت مخصوص ''مخصوص جانور کو ذوالحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ کو تقربِ الٰہی اور اجر وثواب کی نیت سے ذبح کرنا قربانی کہلاتا ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کا ذریعہ بنے، اسے قربانی کہتے ہیں، چاہے وہ ذبیحہ کی شکل میں ہو یا صدقہ وخیرات کی صورت میں ہو۔

قربانی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قربانی ہے جو حجاج کرام، حج کے موقع پر مکہ مکرمہ (مِنیٰ) میں کرتے ہیں اور اسے ''ھدی'' کہا جاتا ہے۔.....اور دوسری قسم وہ ہے جو تمام صاحب نصاب مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں کرتے ہیں، اسے عام طور پر ''اضحیہ'' کہا جاتا ہے۔ پہلی قسم کی قربانی مکہ مکرمہ کے ساتھ خاص ہے، جو حرمِ پاک سے باہر نہیں ہوسکتی، جب کہ دوسری قسم کی قربانی تمام روئے زمین پر ہر جگہ ہوسکتی ہے۔

قربانی کا وجوب

قرآن مجید کی متعدد آیاتِ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے صاحبانِ ایمان کو قربانی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جس میں قربانی کے وجوب، قربانی کی اہمیت اور قربانی کی عظمت وفضیلت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الکوثر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ ---[سورۃ الکوثر: ۲]

''(اے حبیب!) پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھتے رہیں اور قربانی کیجئے''---

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝---

''(اے محبوب!) آپ کہیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی (اور حج ودیگر جملہ عبادات) اور میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے''---[سورۃ الانعام: آیت ۱۶۲]

قربانی! دین اسلام کے عظیم شعائر میں سے ایک ہے اور اس کے عبادت ہونے پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اس کی فرضیت (وجوب) قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

قربانی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ قربانی تمام امتوں پر اور تمام روئے زمین پر ہوتی آرہی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس کی واضح نشان دہی فرمارہا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ---[سورۃ الحج: آیت ۳۴]

''اور ہم نے ہر امت کے لیے ایک قربانی مقرر فرمائی ہے تاکہ وہ (ذبح کے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام ان بے زبان جانوروں پر ذکر کریں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں''---

اس آیت مبارک سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ قربانی ہر امت میں اور ہر جگہ قائم رہی ہے، کیوں کہ سابقہ اُمتیں بھی مکہ مکرمہ سمیت تمام روئے زمین پر آباد تھیں اور قربانی بھی ہر امت کے لیے مقرر تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ قربانی بھی تمام روئے زمین پر ہر دور میں ہوتی آرہی ہے۔

آقائے نامدار حضور سید عالم ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ (حج کے موقع پر) اور مدینہ منورہ میں دونوں جگہ فریضہ قربانی ادا فرمایا ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تقریباً دس سال تک اقامت پذیر رہے اور آپ ﷺ (ہر سال) قربانی کرتے رہے ہیں''---[جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قربانی کے دن آنحضرت ﷺ کے قریب وہ اونٹ لائے گئے جو پانچ یا چھ کی تعداد میں تھے تو اونٹوں نے (ایک دوسرے پر سبقت کرکے) آپ ﷺ کے نزدیک آنا شروع کیا تاکہ جسے چاہیں پہلے اسی کو ذبح کریں۔راوی کہتے ہیں کہ جب یہ جانور پہلو پر گر گئے (یعنی وہ ذبح کردیے گئے) تو آنحضرت ﷺ نے آہستہ سے کچھ فرمایا، جسے میں نہ سمجھ سکا۔چنانچہ میں نے (اس شخص سے جو میرے پاس تھا) پوچھا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ:

''جو شخص چاہے (ہدی کے) ان جانوروں میں سے (گوشت) کاٹ کرلے جائے''---

[مظاہر حق جدید، جلد۲، صفحہ ۷۲۸، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی]

قربانی کی فضیلت و اہمیت

قربانی کا وجوب احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔قربانی کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جس شخص کے پاس مالی استطاعت ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے''---[ابن ماجہ/مسند امام احمد]

ابن آدم کا پسندیدہ ترین عمل

جہاں تک قربانی کی مقبولیت اور اجر وثواب کا تعلق ہے تو خلوصِ نیت کے ساتھ فربہ (صحت مند) اور بیش قیمت جانور کی قربانی اس کا اہم ذریعہ ہے۔ چنانچہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَا عَمِلَ ابنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ وَ اَنَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَ اَشْعَارِھَا وَ اَظْلَافِھَا وَ اَنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْبِھَا نَفْسًا--- [جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح]

''قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولادِ آدم کا کوئی بھی عمل خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن قربانی کا جانور (زندہ ہوکر) اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور بے شک اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام مقبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ پس تم اپنی قربانیاں خوش دلی سے کیا کرو''---

ہر بال کے بدلے ایک نیکی

عَنْ زَیْدِ ابنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَا ھٰذِہِ الْاَضَاحِیُّ؟ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ؟ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَۃٌ---

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس میں ہمارے لیے کیا اجر وثواب ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''قربانی کے جانور کے ہر بال اور اون کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے''---

[سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد، مشکوٰۃ المصابیح]

اس حدیث پاک کی روشنی میں قربانی کی عظمت وفضیلت اور اجر وثواب کا اندازہ کیجیے کہ جانوروں کے جسم پر بے حد وبے حساب بلکہ ان گنت بال ہوتے ہیں اور اس حدیث پاک کے مطابق جانور کے ایک ایک بال کے بدلے میں ایک ایک عظیم نیکی ملتی ہے، لہٰذا قربانی کرنے والے خوش نصیب

انسان کے نامۂ اعمال میں بے حدو بے حساب اجر وثواب اور لاتعداد نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔
علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ یہاں ایک بڑا لطیف نکتہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث میں اہل علم کے لیے ایک بڑا ہی لطیف اور لذیذ نکتہ یہ ہے کہ ''شعرۃ'' اور ''حسنۃ'' دونوں ہی نکرہ ہیں مگر ''شعرۃ'' کی تنوین تنکیر ''تحقیر'' کے لیے اور ''حسنۃ'' کی تنوین تنکیر ''تعظیم'' کے لیے ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ قربانی کے جانور کے چھوٹے چھوٹے اور حقیر سے حقیر بال کے بدلے بھی بڑی سے بڑی اور عظیم سے عظیم تر نیکی ملتی ہے'' ---[حقانی تقریریں، صفحہ ۲۷۸]

- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے فاطمہ! کھڑی ہو اپنی قربانی پر اور (قربانی کے وقت جانور کے پاس) حاضر رہو، کیوں کہ قربانی (کے جانور) کے خون کے ہر قطرہ کے بدلے میں تمہارے سارے پچھلے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا یہ اجر وثواب ہم اہل بیت (خاندانِ نبوت) کے لیے مخصوص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے یہ اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے یہی اجر وثواب ہے'' ---[مجمع الزوائد، جلد ۴، صفحہ ۱۷]
- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''اے لوگو! قربانی کیا کرو اور قربانی (کے جانور) کے خون میں ثواب کی نیت کرو، کیوں کہ قربانی (کے جانور) کا خون ہر چند کہ زمین پر گرتا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے'' ---[مجمع الزوائد، جلد ۴، صفحہ ۱۷]

- حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس شخص نے اجر وثواب کی نیت سے اور خوش دلی کے ساتھ قربانی کی، وہ قربانی اس کے لیے آگ سے حجاب (رکاوٹ) ہو جائے گی'' ---[مجمع الزوائد، جلد ۴، صفحہ ۱۷]

حدیثِ نبوی کے مطابق قربانی کے جانور کے خون کے ہر قطرے کے ساتھ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن وہ قربانی اس کے لیے آگ جہنم سے حجاب ہو جائے گی۔
چنانچہ حدیث پاک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''بے شک قربانی (کے جانور) کے خون کے پہلے قطرے کے ساتھ تمہارے ہر پچھلے گناہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور سنو! قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے گوشت اور خون کے ساتھ لایا جائے گا اور ستر درجے بڑھا کر تمہارے میزانِ عمل میں (شامل کرکے)

وزن کیا جائے گا''---[کنز العمال، الترغیب و الترهیب]

فلسفه و روحِ قربانی

قربانی کے ایام (۱۰-۱۱-۱۲ر ذوالحجہ) میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور اجر و ثواب کی نیت سے مخصوص جانور کو ذبح کرنے کا نام قربانی ہے۔ سنت ابراہیمی کو تازہ کرنے کے لیے کروڑوں فرزندانِ اسلام ہر سال قربانی کرتے ہیں اور کروڑوں جانور اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح ہوتے ہیں۔ جانور کی قربانی دراصل ہم سب کو راہ حق میں اپنی جان بھی قربان کرنے کا درس دیتی ہے اور یہی قربانی کی اصل روح اور فلسفہ ہے۔

قربانی! قربِ خداوندی کا اہم ترین ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ تمام نیک اعمال چاہے وہ فرضی ہوں یا نفلی، ریاکاری اور دکھاوے سے بالکل پاک ہوں اور اس سے اپنی عزت و شہرت مقصود نہ ہو بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود و مطلوب ہو۔ نیت خالص ہو تو کم قیمت والے جانور کی قربانی بھی شرف قبولیت حاصل کر لیتی ہے اور نیت خالص نہ ہو تو بیش قیمت جانور کی قربانی بھی رائیگاں اور ضائع چلی جاتی ہے۔

قربانی بہ ظاہر ایک جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کا نام ہے، لیکن درحقیقت قربانی کا مقصد محض جانوروں کو ذبح کر دینا ہی نہیں بلکہ قربانی کی روح اور فلسفہ یہ ہے کہ بندۂ مومن ایک خاص جذبۂ اخلاص و ایثار، ایمان داری و نیکوکاری، وفاداری اور جذبۂ تقویٰ و پرہیزگاری ہی کے تحت قربانی کا عظیم فریضہ سرانجام دے۔ چنانچہ قرآن پاک کتنے واضح اور دل نشین انداز میں قربانی کا مقصد و مفہوم اور فلسفہ و روح بیان فرما رہا ہے۔ ارشادِ خداوند قدوس ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ---

''اللہ تعالیٰ تک تمہاری ان (قربانیوں کے جانوروں) کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کے حضور تو صرف تمہارا تقویٰ ہی شرف یاب (قبول) ہوتا ہے''---

[سورۃ الحج: آیت نمبر ۳۷]

جذبہ اخلاص و تقویٰ ...... درس قربانی

اس آیت مبارک میں صاحبان ایمان کو یہ عظیم سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانی کے جانوروں کے گوشت اور خون کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ہاں البتہ اس کی بارگاہ میں تمہارا اخلاص اور تقویٰ ہی شرفِ قبولیت پائے گا اور تمہارے دل میں جتنا خلوص اور تقویٰ زیادہ ہوگا، اتنا ہی قربانی کی مقبولیت اور اس کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ ہر عمل خیر کی طرح قربانی میں بھی اخلاص نیت کا جذبہ بہت ضروری ہے، کیوں کہ درحقیقت وہی قربانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اور ماجور ہوگی، جس میں یہ جذبہ اخلاص کارفرما ہو کہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصولِ اجروثواب کے لیے کی گئی ہے۔

اسلام ہمیں سال میں ایک مرتبہ اپنے مال اور جانوروں کی قربانی کا حکم دیتا ہے تاکہ ہم اپنے اندر عزم وہمت اور جرأت واستقامت اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرنے اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کریں۔ اس کے علاوہ اسلام کا ہر فرد چونکہ فطرتاً سپاہی اور مجاہد ہوتا ہے تو اسلام ہمیں قربانی کے ذریعے یہ درس دیتا ہے کہ جس طرح آج تم اللہ کے لیے اپنا مال پیش کر رہے ہو، کل اسی طرح تم نے دین حق کی تبلیغ واشاعت اور سربلندی کے لیے اپنا خون بھی پیش کرنا ہے اور اگر آج تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے محبوب کا خون بہانے میں کامیاب ہو جاتے ہو تو کل تم اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہو اور تم دارین کی سعادتیں پانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

قربانی کے فضائل و فوائد

قربانی کر کے انسان نہ صرف اطاعت خداوندی بجالاتا ہے بلکہ اللہ کے محبوب انبیاء کرام کی سنت پر بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور قربانی کرنے کے بعد جب اس کا ایک تہائی گوشت غریبوں، ناداروں، یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کیا جاتا ہے تو اس میں صدقہ وخیرات کا پہلو بھی کارفرما ہوتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ کی مزید رضا وخوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک تہائی گوشت اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور احباب میں تقسیم کیا جاتا ہے، اس طرح رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری ہوتی ہے، یوں بیک وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تکمیل ہوتی ہے، گویا کہ عید قربان کا اصل مقصد حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی اور جذبہ ایثار وقربانی پیدا کرنا ہے۔

- قربانی کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔
- قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے بدلے میں ایک ایک عظیم نیکی ملتی ہے۔
- قربانی کے جانور کے خون کے ہر قطرے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ قربانی کرنے والے کا ایک گناہ بخش دیتا ہے۔
- قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو مسلمان کا کوئی عمل قربانی کرنے سے زیادہ پسند نہیں ہے۔
- قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے گوشت اور خون کے ساتھ لایا جائے گا اور اس کو ستر درجے بڑھا کر میزان عمل میں وزن کیا جائے گا۔
- قربانی کے جانور کے خون کے پہلے قطرہ کے ساتھ قربانی کرنے والے کے گزشتہ گناہ

معاف کر دیے جاتے ہیں۔

- قربانی کرنے سے فقراء اور مساکین کو مفت گوشت مل جاتا ہے، جس سے ان کو بھی عید کی خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔
- قربانی کے جانوروں اور کھالوں سے ملک وقوم کو قیمتی زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے، جس سے کاروبار، معیشت اور نقل وحمل میں تیزی آجاتی ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ ہر سال ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ قربانی محض جانور کو ذبح کرنے، اس کا گوشت تقسیم کرنے اور کھانے کھلانے سے عید اور قربانی کا مقصد پورا نہیں ہو جاتا بلکہ یہ مقصد دلوں میں ایک دوسرے کے لیے خلوص ومحبت، ہمدردی اور جذبہ ایثار وقربانی پیدا کرنے سے مکمل ہوتا ہے۔

قربانی کے ذریعے سنتِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ اور اسوۂ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تازہ کیا جاتا ہے۔ قمری سال کا آغاز محرم سے اور اختتام ماہِ ذوالحجہ پر ہوتا ہے۔ دس محرم کو امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دس ذوالحجہ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام ابتداء سے لے کر انتہاء تک قربانیوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا تن من دھن قربان کرنے کا نام ہے۔

غریب و سادہ ، رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ، ابتدا ہے اسماعیل

وجوبِ قربانی اور ملکیتِ نصاب

قربانی ایک مالی عبادت ہے جو ہر صاحب نصاب مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ مخصوص جانور کو مخصوص ایام (۱۰، ۱۱، ۱۲ر ذوالحجہ) کو تقربِ الٰہی اور اجر وثواب کی نیت سے ذبح کرنا قربانی ہے۔

مالکِ نصاب ہونے سے مراد اتنا مال ہے جو حاجت اصلیہ کے علاوہ ساڑھے باون تولے چاندی (612.36 گرام) یا ساڑھے سات تولے (یعنی 87.48 گرام) سونے کی رائج الوقت بازاری قیمت کے برابر ہو۔ واضح رہے کہ قربانی کے وجوب کے لیے محض مالک نصاب ہونا ہی کافی ہے، نصاب پر پورا قمری سال گزرنا شرط نہیں ہے۔

قربانی کا مجموعی وقت

قربانی کا مجموعی وقت دسویں ذوالحجہ کی صبح صادق سے لے کر بارہویں ذوالحجہ کے غروبِ آفتاب تک ہے۔ جب کہ قربانی کے لیے ۱۰ر ذوالحجہ سب سے افضل دن ہوتا ہے۔ گیارہویں اور بارہویں ذوالحجہ کی شب میں بھی قربانی ہو سکتی ہے، مگر رات میں ذبح کرنا مکروہ ہے۔

شہر میں قربانی کا وقت

امام کے ساتھ نمازِ عید الاضحیٰ پڑھنے کے بعد قربانی کرنا بالاجماع جائز ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گاؤں اور دیہات والوں کے حق میں فجر ثانی (صبح صادق) طلوع ہونے کے بعد قربانی کا وقت داخل ہو جاتا ہے، جب کہ شہر والوں کے حق میں جب تک امام نمازِ عید اور خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے قربانی کا وقت داخل نہیں ہوتا اور اگر کسی نے اس سے پہلے قربانی کر دی تو وہ جائز نہیں ہے، اسے دوبارہ قربانی کرنی ہوگی۔

شہر میں قربانی کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ نمازِ عید کے بعد قربانی کی جائے اور دیہات میں چونکہ نمازِ عید (واجب) نہیں ہوتی اس لیے وہاں صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں، اگر شہر میں متعدد جگہوں پر نمازِ عید ہوتی ہو تو صرف پہلی جگہ نمازِ عید ہو جانے کے بعد قربانی کرنا جائز ہے، یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ عید گاہ میں نماز ہو جائے جب ہی قربانی کی جائے بلکہ اگر کسی مسجد میں ہو گئی اور عید گاہ میں نہیں ہوئی، جب بھی ہو سکتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام سفیان ثوری صرف تین دن (یوم نحر اور اس کے بعد دو دن) تک قربانی کے جواز کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک تیسرا دن گزر جانے کے بعد چوتھے دن قربانی کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ غیر مقلدین کے نزدیک یوم نحر اور اس کے بعد تین دن تک قربانی جائز ہے، لیکن اہل سنت کے نزدیک قربانی صرف تین دن تک ہو سکتی ہے۔

قربانی کی شرائط وجوب

قربانی کے واجب ہونے کی شرائط حسب ذیل ہیں:

1. مسلمان ہونا (کافر پر قربانی واجب نہیں)
2. مالک نصاب ہونا (فقیر پر قربانی واجب نہیں)
3. آزاد ہونا (غلام پر قربانی واجب نہیں، اگرچہ آج کل غلامی کا سلسلہ نہیں ہے)
4. مقیم ہونا (مسافر پر قربانی واجب نہیں)
5. بالغ ہونا (نابالغ پر قربانی واجب نہیں)

مسافر پر اگرچہ قربانی واجب نہیں ہے مگر نفل کے طور پر کرے تو کر سکتا ہے، ثواب پائے گا۔ حج کرنے والے جو مسافر ہیں، ان پر قربانی واجب نہیں اور مقیم ہوں تو واجب ہے، البتہ ''حج تمتع'' اور ''حج قران'' کرنے والوں پر قربانی واجب ہے۔

شرائط قربانی کا وقت میں پایا جانا

قربانی کی جملہ شرائط کا قربانی کے وقت میں پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص ابتدائی وقت میں کافر تھا اور پھر مسلمان ہو گیا اور ابھی قربانی کا وقت ہے تو اس پر قربانی واجب ہے، جب کہ قربانی کی باقی شرائط بھی پائی جائیں۔ اسی طرح کوئی شخص اوّل وقت میں مسافر تھا پھر اثنائے وقت میں مقیم ہو گیا تو اس پر بھی قربانی واجب ہے۔ اسی طرح ایک شخص فقیر تھا اور وقت کے اندر مالک نصاب ہو گیا اور نابالغ بچہ، بالغ ہو گیا تو اس پر بھی قربانی واجب ہے۔

مخصوص جانور کی قربانی

قربانی واجب ہونے کا سبب ''وقت'' ہے۔ جب وہ وقت (دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ) آجائے اور شرائط وجوب پائے گئے تو قربانی واجب ہو گئی اور قربانی کا رکن ''مخصوص جانور'' کو قربانی کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔ قربانی کی نیت سے دوسرے حلال جانور مثلاً ہرن، مرغ وغیرہ کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ [درمختار/ردالمحتار]

فرداً فرداً قربانی کا وجوب

شریعت مطہرہ کے مطابق ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے اعمال کا جواب دہ ہے، لہٰذا اگر کسی مشترکہ خاندان میں ایک سے زیادہ افراد صاحب نصاب ہیں تو سب پر فرداً فرداً قربانی واجب ہے۔ محض ایک کی قربانی سب کے لیے کافی نہیں ہو گی، بلکہ تعین کے بغیر ادا ہی نہیں ہو گی۔

ہر سال کی واجب قربانی

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اگر کوئی شخص دولت مند ہے اور وہ حضور نبی کریم ﷺ کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے قربانی کرنا چاہتا ہے تو یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ لیکن پہلے اسے اپنی طرف سے قربانی کرنی ہو گی، کیوں کہ وہ اس پر واجب ہے، حتیٰ کہ اگر وہ ہر سال صاحب نصاب ہوتا ہے تو اسے ہر سال پہلے اپنی طرف سے قربانی ادا کرنی ہو گی اور بعد میں چاہے تو کسی اور کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے۔

ایصالِ ثواب کی نیت سے قربانی

اپنے فوت شدہ رشتہ داروں اور بزرگان دین کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے قربانی کی جا سکتی ہے یعنی اپنی طرف سے واجب قربانی ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اپنے مرحوم رشتہ داروں، بزرگان دین، اہل بیت، صحابۂ کرام اور خصوصاً حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے قربانی کرنا افضل اور باعثِ سعادت ہے اور کرنے والے کو نہ صرف اجر و ثواب

پورا ملے گا بلکہ حضور سید عالم ﷺ کی نسبت سے اس کی قبولیت بھی یقینی ہے۔

موت و حیات اور وجوب قربانی

ہمارے معاشرے میں جہالت، کم علمی اور دین سے دوری کے سبب ایک نہایت غلط رسم یہ پائی جارہی ہے کہ اگر کسی کے گھر میں کوئی فوتگی ہوجائے تو اس کے بعد جو پہلی عید قربان آتی ہے اس میں اس کے گھر والے فوت ہونے کے سوگ میں قربانی نہیں کرتے اور اس کو فوت ہونے والے کی تعزیت کے خلاف سمجھتے ہیں، ایسا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے بلکہ ایسا تصور رکھنا قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے اور قربانی اللہ کا حکم اور شرعی اعتبار سے واجب ہے، اس کا ترک کرنا گناہ ہے، قیامت کے دن اس شخص کا مواخذہ ہوگا جو قربانی کرسکتا ہے مگر اس نے قربانی نہیں کی۔

قربانی کرنا ھی واجب ہے

قربانی کے ایام میں قربانی کرنا ہی واجب ہے۔ قربانی کا جانور یا اس کی قیمت صدقہ کردینا جائز نہیں ہے اور اس سے واجب ادا نہیں ہوگا بلکہ قربانی واجب الاعادہ اور ضروری ہے۔ ہاں، البتہ اس میں نیابت ہوسکتی ہے، یعنی کسی نے دوسرے کو وکیل بنادیا اور اس نے اس کی طرف سے قربانی کردی تو یہ جائز ہے۔

قربانی میں "عقیقہ" کا حصہ

مشترکہ گائے یا اونٹ وغیرہ کی قربانی میں "عقیقہ" کا حصہ بھی ڈالا جاسکتا ہے۔ افضل وبہتر یہ ہے کہ لڑکے کے لیے دو حصے اور لڑکی کے لیے ایک حصہ ہو، اگر دو حصوں کی استطاعت نہ ہو تو لڑکے کے لیے ایک حصہ بھی ڈالا جاسکتا ہے۔

بہ وقت ذبح جانور کا بچہ نکلنا

قربانی کے جانور نے ذبح سے پہلے بچہ دے دیا یا ذبح کرنے کے بعد پیٹ سے زندہ بچہ نکلا تو دونوں صورتوں میں یا تو اسے بھی قربان کردیں یا زندہ صدقہ کردیں یا فروخت کرکے اس کی قیمت صدقہ کردیں۔ اگر بچہ مردہ نکلے تو اسے پھینک دیں، قربانی ہر صورت میں صحیح ہے۔

قربانی کے جانور کا معیار

قربانی کا جانور تمام ظاہری عیوب سے سلامت ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں فقہاءِ کرام نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ ہر وہ عیب جو جانور کے کسی نفع یا حسن وخوب صورتی کو بالکل ضائع کردے، اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہے اور جو عیب اس سے کمتر درجہ کا ہو تو اس کی وجہ سے قربانی ناجائز نہیں ہوتی۔

جس جانور کے دانت نہ ہوں لیکن اگر وہ چارا کھالیتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے، ورنہ نہیں۔ جس جانور کا پیدائشی سینگ نہ ہو یا اس کا سینگ تھوڑا سا ٹوٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ اگر جانور اندھا، کانا یا لنگڑا ہو اور اس کے عیوب بالکل ظاہر ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

جس جانور کا ایک کان پورا کٹا ہوا ہو، اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ اگر کان، چکتی یا دُم اور آنکھ کا زیادہ حصہ ضائع ہو گیا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں اور اگر تہائی سے کم حصہ ضائع ہوا ہو تو پھر قربانی صحیح ہے۔ جو جانور بھینگا ہو یا جس کا اون کاٹ لیا گیا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ خارش زدہ جانور اگر موٹا تازہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں جائز نہیں ہے۔

قربانی کے جانوروں کی عمریں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم صرف مسنہ (ایک سال کی بکری، دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اونٹ) کی قربانی کیا کرو، ہاں اگر تم کو (مسنہ ملنا) دشوار ہو تو چھ سات ماہ کا دنبہ یا مینڈھا ذبح کر دو۔ [صحیح مسلم، مسند امام احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی]

قربانی کے جانور تین قسم کے ہیں:

① اونٹ اور اونٹنی! ان کی عمر کم از کم پانچ سال ہونا ضروری ہے۔

② گائے، بیل، بھینس اور بھینسا، ان کی عمر کم از کم دو سال ہونا ضروری ہے۔

③ بکری، بکرا، بھیڑ اور دنبہ، ان کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے۔ البتہ دنبہ اگر چھ مہینے کا ہو لیکن اتنا فربہ (صحت مند) ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ نیز بکری، بکرا، بھیڑ اور دنبہ صرف ایک آدمی کی طرف سے قربانی میں ذبح کیا جاسکتا ہے، جب کہ گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اور اونٹنی میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ سب کی نیت عبادت اور حصولِ اجر و ثواب کے لیے ہو۔

صاحب نصاب اور عیب دار جانور

صاحب نصاب نے اس قسم کے عیب والے جانور کو خریدا یا خریدنے کے بعد اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی ممنوع ہے تو ہر صورت میں صاحب نصاب کا اس جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں اور جو صاحب نصاب نہ ہو وہ ہر صورت میں اس جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔

[شرح صحیح مسلم، جلد ۶، صفحہ ۱۵۱]

بہ وقت ذبح عیب دار جانور کی قربانی

ذبح کرتے وقت قربانی کا جانور اچھلا کودا اور اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا یا ذبح ہوتے ہوئے

اٹھ کر بھاگا اور وہ عیب دار ہو گیا تو اسے اسی حالت میں ذبح کر دیں، قربانی ہو جائے گی۔

افضل ترین قربانی کا بیان

حضرت بقیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ قربانی وہ ہے جو زیادہ مہنگی اور زیادہ فربہ ہو''---[سنن کبریٰ: ۹/۲۷۲]

زیادہ فربہ و قیمتی جانور کی قربانی

زیادہ فربہ، زیادہ حسین اور زیادہ قیمتی جانور کی قربانی مستحب اور افضل ہے۔ بکریوں کی جنس میں سرمئی رنگ کا سینگوں والا خصی مینڈھا افضل ہے۔ خصی جانور کی قربانی آنڈو کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے، کیوں کہ اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔

قیمتی، فربہ اور لذیذ ترین جانور کی قربانی

اگر بکری کی قیمت اور گوشت! گائے کے ساتویں حصے کی قیمت اور گوشت کے برابر ہو تو بکری کی قربانی افضل ہے، کیوں کہ بکری کا گوشت لذیذ ہوتا ہے اور اگر گائے کے ساتویں حصے میں بکری سے زیادہ گوشت ہو تو گائے کی قربانی افضل ہے۔ نیز مینڈھا، بھیڑ سے اور دنبہ، دنبی سے افضل ہے۔ بکری، بکرے سے افضل ہے، لیکن خصی بکرا، بکری سے افضل ہے۔ گائے، بیل سے اور اونٹنی، اونٹ سے افضل ہے، جب کہ ان کی قیمت اور گوشت برابر ہو۔

گائے وغیرہ کے ساتویں حصے کی قربانی اور بکری کی قربانی میں اس جانور کی قربانی کرنا افضل ہے جس کی قیمت زیادہ ہو۔ اگر قیمتیں برابر ہوں تو جس کا گوشت زیادہ ہو، وہ افضل ہے اور اگر قیمتیں اور گوشت دونوں برابر ہوں تو پھر جس کا گوشت زیادہ لذیذ ہو، اس جانور کی قربانی کرنا افضل ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بالترتیب زیادہ قیمتی، زیادہ فربہ اور لذیذ ترین جانور کی قربانی افضل ہے۔

قربانی کے گوشت کا بیان

قربانی کے جانور کا گوشت خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ گوشت کے تین برابر حصے کیے جائیں اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے، ایک حصہ فقیروں اور غریبوں کے لیے اور ایک حصہ اپنے دوست واحباب کے لیے مخصوص کیا جائے۔ اگر قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دیا یا سارا اپنے لیے رکھ لیا تو یہ بھی جائز ہے اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ بھی گوشت ذخیرہ کر کے رکھے، لیکن اس کو کھلانا اور صدقہ کرنا افضل ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کثیر العیال (زیادہ اہل وعیال والا) ہو تو اس کے لیے افضل اپنے اہل وعیال کو کھلانا ہے۔

مشترکہ قربانی اور برابر حصہ داری

گائے وغیرہ کی مشترکہ قربانی میں حصہ داری کی ہے تو لازمی ہے کہ گوشت وزن کر کے برابر برابر تقسیم کیا جائے، اندازہ سے تقسیم نہ کریں، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو گوشت زیادہ اور کسی کو کم ملے اور یہ ناجائز ہے۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ اگر کسی کو کم و بیش ملے گا تو ہر ایک حصہ دار دوسرے کو جائز (معاف) کر دے گا، کیوں کہ یہاں عدمِ جواز حق شرع ہے اور اس کو معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔

حلال جانور کے اعضائے ممنوعہ

شریعت کے مطابق ذبح کیے ہوئے حلال جانور کے مندرجہ ذیل اعضاء اور حصے کھانا ممنوع ہیں۔ دمِ مسفوح (بہ وقت ذبح بہنے والا خون)، ذکر و فرج (جانور کے پیشاب کی جگہ)، خصیتین (کپورے)، مثانہ، دُبر (جانور کے پاخانے کی جگہ)، حرام مغز اور آنتیں، اِن میں دمِ مسفوح (ذبح کے وقت بہنے والا خون) حرام قطعی اور باقی مکروہِ تحریمی ہیں۔ [بہ حوالہ تفہیم المسائل]

اگر کوئی حلال جانور کسی بھی وجہ سے مردار (حرام) ہو جائے تو اس کی کھال سے بغیر دباغت (رنگنے) کے نفع حاصل کرنا اور اس کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ دباغت کے بعد اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے، کیوں کہ دباغت کے بعد کھال پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مردار کی وہ چیزیں جن میں زندگی حلول کرتی ہے (مثلاً آنتیں اور چربی وغیرہ)، ان سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور وہ چیزیں جن میں زندگی حلول نہیں کرتی مثلاً ہڈیاں، سینگ، بال، روئیں، کُھر، پنجے، اون، ناخن اور چونچ وغیرہ ان سے نفع حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ [ہدایہ، شرح وقایہ]

تکبیرات تشریق

۹/ذوالحجہ کی نمازِ فجر سے ۱۳/ذوالحجہ کی نمازِ عصر تک ہر باجماعت نماز کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے یہ تکبیرات پڑھنا واجب ہے اور تین مرتبہ پڑھنا افضل و مستحب ہے۔ عید گاہ آتے جاتے بھی بہ آوازِ بلند یہ تکبیرات پڑھنی چاہئیں۔

اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ---

ذبح کے وقت تکبیر اور دعا

قربانی کرنے سے پہلے جانور کو پانی اور چارا دے دیں۔ چھری اچھی طرح تیز کر کے جانور کو بائیں پہلو پر لٹا کر اسے قبلہ رخ کر لیں۔ اپنا دایاں پاؤں اس کے پہلو پر رکھ کر تیز چھری سے جلد ذبح کر دیں۔ ذبح سے پہلے یہ دعا پڑھ لیں۔

دعائے قربانی

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفاً وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ○ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ○ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَامِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَ مِنْكَ---

پھر بلند آواز سے "بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ" پڑھ کر ذبح کر دیں اور ذبح میں کم از کم چار یا تین رگیں ضرور کٹنی چاہئیں۔

نیز یہ مستحب ہے کہ چھری تیز ہو اور گلے میں چھری پھیرنے کے بعد اتنی دیر انتظار کرنا مستحب ہے جتنی دیر میں اس کے تمام اعضا ٹھنڈے ہو جائیں اور اس کے تمام جسم سے جان نکل جائے اور اس کے جسم کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا مکروہ ہے۔

جانور ذبح ہو جانے کے بعد یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ کَمَاتَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ○---

ضروری وضاحت

اگر ذبح کرنے والا یا دعا پڑھنے والا کوئی اور ہو تو پھر "مِنِّیْ" کی جگہ مِنْ فلان (اس شخص یا اشخاص کا نام) کہے۔ اگر گائے یا اونٹ وغیرہ ہو تو تمام شرکاءِ قربانی کا نام لینا ضروری ہیں۔

قربانی کی کھالیں

قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں بھی لایا جا سکتا ہے۔ مثلاً اس سے جائے نماز (مصلّٰی) موزے اور مشکیزہ وغیرہ بنا سکتے ہیں۔ جب کہ قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم اپنے استعمال میں نہیں لا سکتے بلکہ اس کل رقم کو صدقہ کر دینا واجب ہے۔ اسی طرح قربانی کے جانور کی کھال یا گوشت قصائی کو اجرت کے طور پر دینا جائز نہیں ہے۔

قربانی کی کھال اور اعانتِ دین

قربانی کی کھالیں کسی نادار و مفلس غریب اور مستحق کو بھی دے سکتے ہیں، البتہ دینی اداروں اور مدارس کو دینا افضل ہے، کیوں کہ یہ تبلیغ و اشاعتِ دین کے کام میں اعانت و مدد بھی ہے اور صدقہ جاریہ بھی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو قربانی کا عظیم فریضہ انجام دینے اور اس کی روح اور فلسفہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید الانبیاء و المرسلین

*****

ایک حیرت انگیز سائنسی انکشاف

رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ/اپریل ۱۹۹۰ء میں جانشین فقیہ اعظم حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری زید مجدہ کا مدینہ منورہ سے مرسلہ اداریہ، جو قند مکرر کے طور پر بارِ دگر نذر قارئین ہے---[ادارہ]

کائنات ارضی وسماوی کی ہر ہر چیز اللہ رب العالمین جل جلالہ اور حضور پرنور ختمی مرتبت رحمۃ للعالمین ﷺ کی عظمتِ رسالت پر دال ہے--- جوں جوں دنیا ترقی کرتی جارہی ہے، حمد ونعت کی یہ وسعتیں اوراجاگر ہوتی چلی جارہی ہیں---

دورِ حاضر بلاشبہ سائنس وٹیکنالوجی کا دور ہے--- نت نئی ایجادات اور تحقیقات سامنے آرہی ہیں---اور یہ سلسلہ جس قدر آگے بڑھ رہا ہے، اسی قدر توحید باری تعالیٰ اور عظمتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کے دلائل وبراہین واضح ہوتے چلے جارہے ہیں--- جن معجزات کا خلاف عقل سمجھ کر بڑی شدومد سے انکار کیا جاتا رہاہے، آج کی سائنسی ایجادات ان کی کھلی تصدیق کررہی ہیں اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے---منکرین توحید ورسالت کے ہاتھوں ہی ایسی چیزیں منظر عام پرآرہی ہیں، جن سے حقیقت خداوندی اور عظمت مصطفوی (ﷺ) نئے نئے زاویوں اور نئی نئی جہتوں سے اجاگر ہوتی چلی جارہی ہے اور اہل کفر کے لیے دعوتِ فکر کا سامان مہیا ہورہاہے---

ابھی رمضان المبارک (۱۴۱۰ھ) کے اوائل میں جب اس احقر کو سرکار دوعالم ﷺ نے

اپنے درِاقدس کی حاضری سے باریاب فرمایا تو یہاں مدینہ منورہ ﷺ میں ایک عزیز نے ایک جدید سائنسی تحقیق کی دستاویز عنایت کی، جس کے مطابق کچھ عرصہ قبل انسانی جسم کی کمپیوٹر کے ذریعے تصویر لی گئی تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ:

ہرانسان کی سانس کی نالی (ٹانسل) پرکلمہ طیبہ کا جزواوّل لا الٰہ الا اللّٰہ لکھا ہوا ہے جب کہ دائیں پھیپھڑے پر محمد رسول اللّٰہ نقش ہے---

زندگی کا مدار سانس پر ہے اور آلاتِ تنفس جن سے سانس کی آمد و رفت قائم ہے، ان پر کلمہ طیبہ منقش ہونا، ہر انسان کو دعوت فکر دیتا ہے کہ اگر وہ کائنات کے خارجی دلائل کے ساتھ ساتھ اپنے اندرونی نظام کو دیکھے اور تدبر و فکر سے کام لے تو یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ ذاتِ خداوندی اور محبوبِ خدا ﷺ ہر حقیقت سے بڑی حقیقت ہیں اور ان پر ایمان لانا عین فطرت ہے---اسی لیے تو قرآن کریم جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اعلان فرما رہا ہے:

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ---[فصلت:۵۳]

''ہم دکھائیں گے انھیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں میں، تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے''---

مخبرِ صادق ﷺ کا فرمان ہے:

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ---[صحیح بخاری، جلد۱، صفحہ۱۸۵]

''ہر نومولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے''---

اس تصویر سے یہ بات بھی عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے ذکر کو کس طرح بلند کیا ہے اور کس طرح بلند دیکھنا چاہتا ہے---اسی لیے تو اپنے حبیب ﷺ کے نام کو اپنے نام سے بھی جلی اور واضح تر نقش فرمایا---

غرض کہ اربابِ بصیرت کے لیے اس میں عظمتِ مصطفیٰ کے کئی پہلو ہیں---

اللہ تعالیٰ چشم بینا عطا فرمائے اور ایمان محکم---اپنی ذات وصفات اور رسول پاک ﷺ کی عظمت و رفعت سمجھنے کی توفیق ارزانی فرمائے---

اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلوے

پروفیسر محمد مسعود احمد

نام محمد ﷺ کی کیا بات ہے--- وہ چشم بینا کہاں سے لائیں، جو زمین و آسمان میں اس نام نامی کے جلوے دیکھے--- نام محمد ﷺ کہاں نہیں؟--- ساق عرش پہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے--- جنت کے ہر دروازے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے--- صحفِ سماوی میں نام احمد اور محمد ﷺ لکھا ہوا ہے--- توریت میں، انجیل میں، زبور میں، صحیفہ آدم میں، صحیفہ ابراہیم میں، صحیفہ الشعیاہ میں، کتاب جبقوق میں، اقوال شعیب میں، اقوال سلیمان میں (علیہم السلام)--- اور تو اور ہندوؤں کے ویدوں اور اپنشدوں میں، گوتم بدھ کے ملفوظات میں نام احمد اور محمد ﷺ جلوہ گر ہے---

ہر مذہب و ملت کی کتابوں میں اور ہر دور کی فضاؤں میں آپ ﷺ کے نام نامی کی گونج سنائی دے رہی ہے، سبحان اللہ--- نہ صرف کتابوں میں، بلکہ آسمان و زمین، شجر و حجر، حتی کہ انسانی وجود میں بھی دیکھنے والوں نے نام نامی محمد ﷺ دیکھا ہے--- درختوں پر، پتوں پر، پھولوں پر، پھلوں پر، پھولوں کے اندر، پھلوں کے اندر--- اور--- دورِ جدید میں

یہ عجیب انکشاف ہوا ہے کہ انسان کے سانس کی نالی میں "لا الٰہ الا اللّٰہ" لکھا ہوا ہے اور داہنے پھیپھڑے پر "محمد رسول اللّٰہ" ---سبحان اللہ---[۱]

ہاں تو ذکر تھا نام نامی محمد ﷺ کا---اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا:

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ---[۲]

اللہ اللہ! انسانی وجود میں نام اللّٰہ (جل جلالہ) اور نام محمد ﷺ---اللہ تعالیٰ نے یہ نام نامی پشت مبارک پر مہر نبوت کی صورت میں بھی ظاہر فرمایا تاکہ کسی شک کرنے والے کو شک نہ رہے اور ہر یقین کرنے والا دل سے یقین کرے کہ آپ ہی محمد ﷺ ہیں---

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے نام کو روشن کر دیا---اعلان فرما دیا:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۝---[۳]

"ہم نے تمہارے لیے تمہارے نام کو بلند کر دیا"---

ہماری کوئی غرض نہیں، ہمیں تو بس تم سے محبت ہے اور ہم یہی چاہتے ہیں کہ سب کو تم سے محبت ہو---سبحان اللہ! کس کمال کی محبت ہے کہ نام نامی کلمہ طیبہ میں اپنے نام کے ساتھ ملا کر بتا دیا:

وہ زندہ ہیں واللہ ، وہ زندہ ہیں واللہ

ایک مغربی اسکالر فلپ کے ہتی نے لکھا ہے کہ دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں دنیا کے کسی نہ کسی شہر میں اذان نہ ہو رہی ہو---ہر لمحہ موذن اللہ کے نام کے ساتھ ان کا نام بلند کر رہا ہے---کوئی لمحہ خالی نہیں---ہاں:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے تیرا ، ذکر ہے اونچا تیرا

پھر رفعتِ ذکر کے لیے یہ رسم محبت ایجاد کی کہ محبوب کریم ﷺ پر خود صلوٰۃ کے گجرے بھیجے اور فرشتوں نے صلوٰۃ کی تھالیاں نذر کیں---یہی نہیں سارے عالم کے مسلمانوں کو حکم دیا:

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝---[۴]

"ہاں، اے مسلمانو! تم بھی درود و سلام بھیجو"---

بے دلی سے نہ بھیجنا، دل سے بھیجنا کہ سلام کا حق ادا ہو جائے --- وہ ہم سے الگ نہیں، ان کو الگ نہ سمجھنا:

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو ، نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تم کون ہو اور کیا ہو

قرآن کریم میں فرمایا کہ کوئی شے ایسی نہیں کہ جو ہمارا ذکر نہ کرتی ہو [۵] اور فرمایا کہ سب پرندے اپنی اپنی نمازیں پڑھتے ہیں [۶] جب نمازیں پڑھتے ہیں تو درود و سلام ضرور بھیجتے ہوں گے --- اللہ کا ذکر رسول کریم ﷺ کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا --- ذکر الٰہی میں حلاوت ذکر رسول ہی سے آتی ہے --- یہ راز اہل محبت جانتے ہیں، جو محبت سے ناآشنا ہے وہ کچھ نہیں جانتا، خواہ اپنے زعم میں وہ یہ سمجھتا ہو کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے --- معرفت الٰہی محبت رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں --- یہ محبت ہی تھی جس نے اسم محمد ﷺ کو مشکل کشا بنا دیا ---

ہاں! نام محمد ﷺ شفا ہے --- ایک سائنس دان نے تحقیق کی کہ درود پڑھ کر جو دم کیا جاتا ہے، تو سانس میں ایک قسم کی برقی رو پیدا ہوتی ہے، جو مریض پر خوش گوار اثر ڈالتی ہے ---

اور سچ پوچھیے تو اسم محمد ﷺ میں تعظیم و تکریم کی روح اس طرح چھپی ہوئی ہے جس طرح پھولوں میں خوشبو --- یہ خوشبو وہی سونگھ سکتا ہے جس کے دل میں عشق مصطفیٰ ﷺ ہو ---

حواشی

۱..... روزنامہ البلاد، سعودی عرب، شمارہ یکم شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ

۲..... قرآن کریم، سورۃ فصلت، آیت ۵۳

۳..... قرآن کریم، سورۃ الانشراح، آیت ۴

۴..... قرآن کریم، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶

۵..... قرآن حکیم، سورۃ الاسراء، آیت ۴۴

۶..... قرآن حکیم، سورۃ نور، آیت ۴۱

*****

نویدِ مسیحا کی مسیحائی

ڈاکٹر شہناز کوثر

''غیر مسلموں کی نعت'' کے حوالے سے فانی مراد آبادی، خادم سوہدروی، مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالا اور نور احمد میرٹھی کے انتخابِ نعت زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے اور ماہ نامہ ''نعت'' لاہور کے اس موضوع پر خاص نمبر شائع ہوئے تو کئی اصحاب نے یہ سوال اٹھایا کہ جب غیر مسلم اتنی عقیدت و محبت کے ساتھ حضور ﷺ کی نعت کہتے ہیں تو وہ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟--- اس سوال کو یہ شکل بھی دی گئی کہ چوں کہ غیر مسلم نعت گو حضور ﷺ پر ایمان نہیں لاتے، مسلمان نہیں ہو جاتے، اس لیے ان کا آقا حضور ﷺ کی مدحت میں تر زبان ہونا محض شاعری ہے، دل کی گہرائیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

''غیر مسلموں کی نعت'' (حصہ سوم) میں پروفیسر محمد اکرم رضا نے کسی قدر تفصیلاً اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے لیکن اس موضوع پر انشراحِ قلب کی کیفیت ماہ نامہ ''نور الحبیب'' بصیر پور کی حالیہ اشاعت (مئی ۱۹۹۰ء) کے مطالعے سے ہوئی ہے۔ ماہ نامہ نور الحبیب کے

مدیرِ محترم جو فقیہ اعظم پاکستان مولانا محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ کے صاحبِ علم صاحبزادے ہیں، صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری کو امسال اوائل رمضان میں مدینہ طیبہ میں حاضری کی سعادت ملی تو وہاں انھیں کسی صاحب نے انسانی جسم کی کمپیوٹر کے ذریعے لی گئی تصویر دی، اس تصویر کے ذریعے یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ ہر انسان کی سانس کی نالی (ٹانسل) پر کلمہ طیبہ کا جز واوّل ''لا الہ الا اللّٰہ'' لکھا ہوا ہے، جب کہ دائیں پھیپھڑے پر ''محمد رسول اللّٰہ'' نقش ہے۔

صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری صاحب (مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور) نے مدینہ منورہ سے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۶/اپریل (۱۹۹۰ء) میں لکھا:

''زندگی کا مدار سانس پر ہے اور آلات تنفس جن سے سانس کی آمد و رفت قائم ہے، ان پر کلمہ طیبہ منقش ہونا، ہر انسان کو دعوت فکر دیتا ہے کہ اگر وہ کائنات کے خارجی دلائل کے ساتھ ساتھ اپنے اندرونی نظام کو دیکھے اور تدبر و فکر سے کام لے تو یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ ذاتِ خداوندی اور محبوبِ خدا ﷺ ہر حقیقت سے بڑی حقیقت ہیں اور ان پر ایمان لانا عین فطرت ہے--- اسی لیے تو قرآن کریم جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اعلان فرما رہا ہے:

''ہم دکھائیں گے انھیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں میں، تا کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے'' --- (حم السجدۃ: ۵۳) [۱]

تمہی ہو دنیا میں وجہ رحمت، تمہی سے عقبیٰ میں ہے شفاعت
نفس نفس کی صدا ہے ہر دم ، درود تم پر سلام تم پر [۲]

صاحبزادہ صاحب نے ایڈیٹر ''نعت'' کے نام اپنے مکتوب گرامی کے ساتھ کمپیوٹر کی تصویر ارسال فرمائی تو ''غیر مسلموں کی نعت، حصہ سوم'' تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔ ''نور الحبیب'' کے تازہ شمارے اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے مکتوب گرامی سے یہ سوال اپنی ساری جزئیات کے ساتھ حل ہوتا نظر آیا کہ غیر مسلم حضرات، ایمان کی لذتوں سے بہرہ یاب نہ ہوتے ہوئے بھی حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی مدح و ثنا میں زمزمہ سنج کیوں دکھائی دیتے ہیں؟ جب سانس کی آمد و شد کی راہ ہی کلمہ طیبہ کی راہ ہے، جب خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور

ختمی مرتبت ﷺ کی رسالت انسان کے خمیر میں شامل ہے، جب انسان کی ساخت میں یہ حقیقت ثابتہ پوشیدہ ہے، اور ہر انسان کی زندگی سانس سے، سانس کی نالی اور پھیپھڑوں سے اور سانس کی نالی اور پھیپھڑا ''لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' سے عبارت ہے تو انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے توحید ورسالت کا قائل ٹھہرا۔ وہ انسان غیر مسلم بھی ہو تو بھی اندر سے حضور ﷺ کے ساتھ اپنی بے پناہ محبت وعقیدت کا برملا اظہار کرتا ہے، کیوں نہ ہو، اس کی سانس کے آنے جانے کا نظام ہی اسے اس پر مجبور کرتا ہے، اس کے سینے میں موجود کلمہ طیبہ کی تڑپ اسے نعتیں کہنے پر مامور رکھتی ہے:

حضور ﷺ سب پر کرم بار ایک جیسے ہیں
عطائے خاص کے معیار ایک جیسے ہیں [۳]

آقا حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا معنی بھی اسی سے سمجھ میں آیا کہ:

''ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں''---[۴]

فطرت بچے کو سانس لینے پر مجبور کرتی ہے، سانس کی نالی اور دایاں پھیپھڑا اپنی ساخت میں کلمہ طیبہ کا حامل ہے، تو ہر بچہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے خدا اور سول (جل جلالہ و ﷺ) کا معترف ہوا، بعد میں ماں باپ اسے کچھ بھی بنا دیں--- اور میرا ایمان ہے کہ زندگی میں جہاں کہیں انسان کو خدا تعالیٰ اور حضور محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے کا موقع ملتا ہے، اس کے اظہار کی صورت بنتی ہے، انسان اپنے آپ کو اس پر مجبور پاتا ہے۔ ''غیر مسلموں کی نعت'' کی بنیادی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے۔

انسان جب دنیا میں آتا ہے، اپنی زندگی کے سانس کا محتاج ہوتا ہے، جب تک سانس کی ڈوری قائم رہتی ہے، وہ زندہ رہتا ہے، جب سانس کا یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، انسان مر جاتا ہے، یعنی انسان زندہ رہنے کے لیے سانس کا محتاج ہے اور یہ سانس اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک ﷺ کے طفیل ملتی ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعے لی گئی اس تصویر سے معلوم ہوا کہ انسان تو چلتا پھرتا کلمہ توحید ہے۔

دنیا کی کشاکش میں اے دل! یوں راحت جنت ملتی ہے

توحید کا نعرہ لب پر ہو، تصویر نبی کی سینے میں [۵]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، لیکن حضور نبی الانبیاء ﷺ کی امت میں آنے کی خواہش حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی اور ان کی یہ درخواست بارگاہ خداوندی سے قبولیت کی سند بھی لے چکی ہے، تو یقیناً مسیحائی کے اعتبار سے بھی حضور ﷺ کی عظمت وفوقیت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پھونک مارتے تھے اور مردہ زندہ ہو جاتا تھا مگر نوید مسیحا حضور حبیب کبریا ﷺ کی مسیحائی کا شہرہ ازل سے ابد تک یوں ہے کہ ہر انسان اپنی ساخت کے لحاظ سے کلمہ طیبہ کا قائل ہے، وہ سانس لے ہی نہ سکتا تھا، اگر خدا کی وحدانیت اور حضور اکرم ﷺ کی رسالت کا اپنی تخلیق میں قائل نہ ہوتا۔ سانس کی نالی اور پھیپھڑے کے ذریعے زندگی ہے اور یہ زندگی حضور ﷺ کی رسالت کے اعتراف واقرار میں مضمر ہے۔ انسانی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس خدا تعالیٰ اور اس کے محبوب نبی ﷺ کی محتاج ہے:

چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو	ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو	یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

کمپیوٹر کی اس تصویر کے ذریعے کھلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا جو حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا، اس کا باعث کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کائنات کی اس ازلی حقیقت کی عظمت کو ملائکہ پر بھی آشکار کرنا چاہتا تھا کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ فرشتوں کے اس سجدے کی غایت یہی ظاہر ہوتی ہے کہ انسان کی ساخت میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت کا اعلان ہے، فرشتے اس سے محروم ہیں، اس لیے انھیں ابوالبشر (علیہ السلام) کے آگے جھکنے، سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور جس نے اس حکم سے انکار کیا، اس نے گویا کلمہ توحید کی اہمیت کا انکار کیا اور مردود ٹھہرا۔ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ

مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِo---[۷]

"اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں"---

مفسرین کرام اس آیت کریمہ کی تشریح وتفسیر میں بہت کچھ تحریر فرماتے رہے، لیکن کمپیوٹر کے حوالے سے سامنے آنے والی زیر نظر تصویر سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تعلیم کے لیے اپنے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہونے کی ایک صورت یہ بھی رکھی ہے کہ سانس کی نالی کی ساخت میں اپنی توحید کا اعلان کر رکھا ہے---اور---اللہ کریم جل جلالہ کی توحید کا اعلان حضور ﷺ کی رسالت کے اعلان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

ہم نے ماہ نامہ "نعت" کے اجراء کے وقت کہا تھا کہ کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" پر ختم نہیں ہوتا، "محمد رسول اللہ" (ﷺ) پر تکمیل پذیر ہوتا ہے، اس لیے ہم اس حمد کے قائل ہیں، جس میں نعت شامل ہو۔ ہم اس توحید کو تسلیم نہیں کرتے جو حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے نہ ملے۔ ایسی بہت سی قومیں ہیں جو خدا کو تو مانتی ہیں، حضور ﷺ پر ایمان نہیں لاتیں، ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں، مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہے، زیر نظر تصویر ظاہر کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ ہماری شہ رگ سے قریب ہے اور حضور ﷺ ہماری تخلیق کا سبب ہیں:

ابتدا تم ہو ، انتہا تم ہو   عقل حیران ہے کہ کیا تم ہو
صرف نظروں سے پردہ داری ہے   ورنہ ہر شے سے رونما تم ہو
خود شناسی ہے مقصدِ تخلیق   میری ہستی کا مدعا تم ہو [۸]

جب سانس کی آمد و شد کا انحصار خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت کے روحانی اقرار پر ہے۔ جب تک انسان میں روح موجود ہے، سانس آتی جاتی ہے، سانس آتی جاتی ہے تو کلمہ طیبہ کے طفیل آتی جاتی ہے، اس لیے ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارا ہر کام اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی خوشنودی کے لیے ہو، ہم سانس لیں تو خدا تعالیٰ کے ذکر اور درود شریف کا وِرد کرتے رہیں، بولیں تو اللہ کریم اور حضور ﷺ کی باتیں کریں، چلیں تو

خدا اور رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کی بتائی اور دکھائی ہوئی راہ پر چلیں، لکھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں لکھیں، سنیں تو ان صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں، دیکھیں تو گنبد خضراء کی یا اس کے عکس پاک کی رعنائیں دیکھیں۔ کمپیوٹر کی یہ تصویر ہمیں یہی سکھاتی ہے:

یاد ہر دم دلوں میں رہے آپ کی ، ہر تنفس میں خوشبو بسے آپ کی
ہو ثنا آپ کی سب کے وردِ زباں ، آپ پر ہوں کروروں درود و سلام [۹]

حواشی

۱......نور الحبیب، ماہ نامہ، بصیر پور، مئی ۱۹۹۰ء، صفحہ ۴
۲......نزہت اکرم، ڈاکٹر
۳......شہاب دہلوی، سید مسعود حسن
۴......مسند امام اعظم، باب ۴، التوقف فی ذرارِی المشرکین، اردو ترجمہ از دوست محمد شاکر، صفحہ ۱۰
۵......عرش ملیسانی، پنڈت بالمکند
۶......اقبال، شاعر مشرق، علامہ
۷...... ق، ۵۰:۱۶
۸......موج، راجیندر بہادر
۹......نذیر احمد علوی

[بشکریہ ماہ نامہ نعت، لاہور، شمارہ جون ۱۹۹۰ء]

❁❁❁❁

سفرنامہ ابن بطوطہ

ابوالبشر صفی اللہ حضرت باوا آدم علیہ السلام کے قدم شریف کی زیارت

صحافی محمد اصغر مجددی

قدم شریف سیلون کے کوہستانی سلسلے میں کوہِ آدم پر وہ تاریخی مقام ہے جہاں ابوالبشر حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان پایا جاتا ہے، جس کی زیارت کے لیے ہر قوم، ہر نسل اور ہر مذہب کے لوگ طویل سفر طے کر کے اور ہزاروں فٹ کی چڑھائی چڑھ کر کوہِ آدم کی چوٹی پر پہنچ کر قدم شریف کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ کوہ آدم کی بلندی سطح سمندر سے 7420 فٹ ہے۔ اگلے وقتوں میں لوگ کولمبو اور رتن پور کے راستے سے وہاں جاتے تھے، سارا راستہ گھنے جنگلات پر مشتمل تھا، جگہ جگہ مسافر خانے بنے ہوئے تھے، سات ہزار فٹ کی بلندی جو کہ نو میل بنتی ہے، سیدھی چڑھائی چڑھنا پڑتی تھی، پتھر کاٹ کاٹ کر سیڑھیاں بنائی گئی تھی، زنجیروں کو پکڑ کر اوپر چڑھا جاتا تھا، جو کہ انتہائی خطرناک ہوتا تھا، ہر لحہ موت سر پر لٹکتی نظر آتی تھی۔ متذکرہ مشکلات کے باوجود بھی قدم شریف پر ہر وقت زائرین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

ابن بطوطہ جب سے ہندوستان آیا تھا وہ قدم شریف کی زیارت کے لیے سیلون جانے کے لیے بہت بے چین رہا تھا، لیکن ہمیشہ مصروفیات آڑے آ جاتی تھیں۔ جب شہنشاہ ہندوستان نے ابن بطوطہ کو چین میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تو اس کو واپسی پر قدم شریف تک پہنچنے کا موقع میسر آ گیا۔

ابن بطوطہ کی راجا سیلون سے ملاقات

قدم شریف کی زیارت کے لیے روانگی سے قبل ابن بطوطہ اپنے جہاز پر سوار ہو کر سیلون پہنچا، ان دنوں راجا اریی شکرورتی وہاں کا حکمران تھا، جس کے پاس ایک سو بحری جہاز موجود تھے اور وہ یاقوتوں کے بہت بڑے خزانے کا مالک تھا۔ ابن بطوطہ جب راجا کو ملنے گیا تو راجا نے اس کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور بڑی محبت سے پیش آیا۔ وہ فارسی زبان اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو بہت سے ملکوں اور شہروں کا حال احوال سنایا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے ہم کو اپنا مہمان بنالیا۔ میں ایک دن اس کو ملنے گیا تو اس کے پاس موتیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس علاقے کے سمندر میں غوطہ خور ہر وقت موتی نکالتے رہتے ہیں، کچھ لوگ موتیوں کی اقسام الگ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے راجا کہنے لگا، ایسے شان دار موتی کہیں اور دیکھے ہیں؟ میں نے کہا، میں نے بہت زیادہ موتی دیکھے ہیں، لیکن ایسے خوب صورت موتی مجھے کہیں نظر نہیں آئے۔ کچھ بڑے بڑے موتی اٹھا کر اس نے مجھے دیے اور کہا کہ لے لو، شرم نہ کرو، تم کو جو کچھ درکار ہے بلا تکلف طلب کرو۔ میں نے کہا کہ میری کوئی خواہش نہیں، میں تو صرف قدم شریف کی زیارت کے لیے سیلون آیا ہوں۔ راجا نے مجھے تسلی دی، فکر نہ کرو، میں اپنے آدمی تیرے ساتھ بھیجوں گا، تجھے منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، تمہارے جہاز بھی یہاں محفوظ رہیں گے، واپسی تک ٹھہرے رہیں گے۔

شیخ عثمان شیرازی کی مسجد اور قبر کی زیارت

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ قدم شریف کی زیارت کے لیے کوہ آدم کی طرف جانے سے قبل میں کنکار شہر کے باہر شیخ عثمان شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد دیکھنے گیا اور مسجد کے قریب ان کی مرجع خاص و عام قبر پر فاتحہ خوانی کی۔ اس شہر کا راجا اور تمام باشندے اس قبر کی زیارت کو آتے ہیں۔ مدتوں پہلے کی بات ہے کہ یہ بزرگ قدم شریف کی زیارت کے لیے آنے والوں کی رہبری کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے، ان کے بیٹے، پوتے، غلام اور خاندان والے سب لوگ یہی کام کرتے ہیں۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے، کنکار میں ہی ایک پہاڑ پر استاد محمود نوری کا غار ہے، وہ بڑے ولی اللہ گزرے ہیں، ہم یہ غار دیکھنے گئے، اس کے قریب ہی ایک اور بزرگ بابا طاہر کا غار ہے، وہاں پر بھی ہم نے حاضری دی۔

قدم شریف کے سفر کے انتظامات

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شیخ عثمان شیرازی کی قبر شریف کی زیارت کے بعد ہم واپس آئے

تو راجا نے قدم شریف کی زیارت کے سلسلے میں تمام انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ راجا نے میرے بیٹھنے کے لیے ایک ڈولہ خاص طور پر بنوایا اور اس کے ساتھ غلام دیے، جو ڈولہ اٹھاتے تھے، چار جوگی میرے ساتھ کیے، جو ہر سال قدم شریف کی زیارت کو جاتے تھے، تین برہمن، دس اپنے خاص اہل کار اور پندرہ جوان مزدور زادِ راہ اور سامان اٹھانے کے لیے میرے ساتھ روانہ کیے۔ تمام راستے میں راجا کے اہل کار ہمارے قافلے کی خوب خدمت کرتے رہے، جب کھانے کا وقت ہوتا وہ اچھی خاصی ضیافت کا اہتمام کرتے، کیوں کہ راجا کا سخت حکم تھا کہ شیخ ابن بطوطہ کو سفر میں ہر سہولت مہیا کی جائے۔

اللہ جل جلالہ، رسول ﷺ کے اسماء مبارکہ والے پھول

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ قدم شریف تک جانے کے لیے ہم جبل سراندیپ پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ہم اتنی اونچائی تک پہنچ گئے ہیں کہ بادل ہمیں نیچے نظر آتے تھے، اس پہاڑ پر ہم نے ایسے بہت سے درخت دیکھے جن کے پتے نہیں جھڑتے، درحت کے پتے رنگ برنگے ہوتے ہیں، ان درختوں پر سرخ رنگ کے گلاب کے پھول نکلتے ہیں جو کہ ہتھیلی کے برابر ہوتے ہیں، یہاں پر یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان پھولوں میں اللہ جل جلالہ اور محمد ﷺ کے نام قلم قدرت سے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

کوہِ آدم کی مشکل ترین چڑھائی

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ جبل سراندیپ سے قدم شریف تک جانے کے لیے دو راستے نکلتے ہیں، ایک کو بابا کا راستہ کہتے ہیں، دوسرے کو ماما کا راستہ کہتے ہیں، یعنی آدم اور حوا کا راستہ۔ ماما کا راستہ آسان بتایا جاتا ہے، اس راستے سے زائرین واپس آتے ہیں، اگر کوئی یہ راستہ اختیار کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے قدم شریف کی گویا زیارت ہی نہیں کی۔ لیکن بابا کا راستہ بڑا دشوار گزار ہے، اس پر چڑھنا بہت مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے، کوہ آدم کے اوپر پہنچنے کے لیے سیڑھیاں کھودی گئی ہیں، لوہے کی میخیں گاڑ کر ان کے ساتھ لوہے کی مضبوط زنجیریں لٹکائی گئی ہیں، یہ دس زنجیریں ہیں، دو پہاڑ کے نیچے ہیں، جہاں پہاڑ کا دروازہ ہے، سات اس کے اوپر پے در پے آتی ہیں، سب سے آخری زنجیر کو زنجیرِ شہادت کہتے ہیں۔ نو میل کی اونچائی ان زنجیروں کو پکڑ کر طے کرنا پڑتی ہے۔ اوپر کی جانب آخری دو میل کی چڑھائی قدرے آسان ہے، تمام زائرین اپنا تمام مال و اسباب پہاڑ کے نیچے چھوڑ آتے ہیں، اس بوجھ سے آزاد ہو کر وہ اپنے اگلے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔

قدم شریف کا نشان

ابن بطوطہ اور اس کے ساتھیوں نے کوہِ آدم کی چوٹی پر پہنچ کر قدم شریف کی زیارت کی، ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ میں نے یہ دیکھا کہ باوا آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان سخت سیاہ پتھر میں ہے، جو کہ سطح سے اونچا ہے اور میدان میں پڑا ہوا ہے۔ آپ کا قدم شریف پتھر میں گھس گیا تھا، جس کا نشان بن گیا تھا، جو کہ اب تک موجود ہے۔ زائرین قریب ہی موجود غارِ خضر میں تین دن تک چوٹی پر ٹھہرتے ہیں اور برابر صبح وشام قدم مبارک کے نشان کی زیارت کرتے رہتے ہیں۔ ہم بھی تین دن صبح وشام قدم مبارک کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔

قدم شریف کا سائز

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ پتھر میں پیوست شدہ قدم شریف کا نشان گیارہ بالشت ہے، تمام مصنفوں اور سیاحوں نے قدم کا سائز مختلف بیان کیا ہے۔ عجائب الاسفار کے مترجم نے قدم کا طول پانچ فٹ یا ساڑھے پانچ فٹ لکھا ہے۔ ابوزید حسن سیرانی نے قدم کی لمبائی ستر ہاتھ لکھی ہے۔ یہاں یہ نقل مشہور ہے کہ ہر ایک شخص کو قدم کی لمبائی اس کے ایمان کے مطابق نظر آتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیرانی کا ایمان سب سے بڑا تھا۔

قدم شریف کے بارے مختلف مذاہب میں اختلافات

عجائب الاسفار کے مترجم نے لکھا ہے کہ کوہ آدم پر موجود قدم کے نشان کے بارے میں مختلف مذاہب میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، مسلمان اس نشان کو باوا آدم علیہ السلام کے قدم کا نشان مانتے ہیں، جب کہ ہندو کہتے ہیں کہ یہ وشو کا قدم ہے، بودھ مذہب کے پیروکار اس کو ساکیامی کے قدم کا نشان بتاتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بودھ اسی پہاڑ سے آسمان کو چڑھا تھا۔

قدم کی زیارت کے لیے اہل چین بھی یہاں آتے ہیں۔ کوہ آدم پر موجود قدم کے نشان کے انگوٹھے کا نشان یہاں سے کھود کر اہل چین اپنے ملک لے گئے تھے اور انھوں نے زیتون شہر میں اس کو ایک مندر میں رکھا ہوا ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ قدم کے نشان کے ارد گرد نو گڑھے کھدے ہوئے ہیں، ہندو زائران گڑھوں میں سونا، یاقوت اور موتی بھر جاتے ہیں، فقیر لوگ جب غار پر پہنچتے ہیں تو وہ قدم شریف آ کر جلدی جلدی گڑھوں میں جو کچھ مال ہوتا ہے، نکال لیتے ہیں۔ عجائب الاسفار کے مترجم نے لکھا ہے کہ قدم شریف کے بارے میں ابن بطوطہ کے تاثرات کی سر ایمرسن ٹے نٹ نے بہت زیادہ تائید کی ہے۔

[ماخذ: عجائب الاسفار، ابن بطوطہ]

✦✦✦✦✦

مدارس میں علمی زوال کے اسباب اور حل

مولانا حذیفہ وستانوی

اللہ رب العزت کا ہم جتنا شکر ادا کریں، کم ہے، اس لیے کہ اس رب کریم نے ہمیں محض اپنے فضل وکرم اور اپنی خصوصی عنایتوں سے اپنے دین متین کی آبیاری کے لیے منتخب کیا، حالاں کہ اللہ رب العزت تو سراپا بے نیاز اور غنی ہے، اس کو کسی کی حاجت وضرورت نہیں، اگر وہ چاہے تو بغیر کسی سبب کے بھی اپنے دین کی حفاظت کر سکتا ہے، مگر دنیا کے دار الاسباب ہونے کی وجہ سے اللہ نے بھی دین کی حفاظت کے لیے اسباب مہیا کیے۔ اس کا کوئی یہ مطلب ہرگز نہ نکالے کہ اللہ اسباب کے اختیار کرنے کا (العیاذ باللہ) مکلف ہے، کیوں کہ اگر وہ چاہے تو بغیر اسباب ووسائل کے بھی دار الاسباب ہونے کے باوجود اپنی مشیت کو نافذ کر دے، جس کی ہزاروں امثلہ، صفحات تاریخ پر موجود ہیں، ہاں البتہ بندے کے لیے اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے، اس کو تو اس کے بغیر چارۂ کار نہیں، لہٰذا اگر خدانا خواستہ ہم دین متین کی حفاظت نہ بھی کریں تب بھی اللہ کے دین پر کوئی آنچ آنے والی نہیں ہے، ہمیں اپنے آپ کو خوش قسمت گردانا چاہیے کہ بغیر کسی مطالبہ کے رب ذوالجلال والاکرام نے ہمیں دین کی حفاظت کے لیے منتخب کیا؛ اب اگر ہم نے اس کی قدر نہیں کی تو یا تو اللہ رب العزت ہمیں ختم کر کے دوسری نسل یا قوم سے اپنے دین کی حفاظت کا عظیم کام لے لے گا اور اگر وہ چاہے تو بغیر کسی کے تعاون اور بغیر کسی سبب کے خود ہی اپنے دین کی حفاظت کرے گا۔ اللہ ہمیں صحیح طور پر

حصول علم کے لیے محنت اور اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ یہ دنیا دار الاسباب ہے اور بندہ اسباب کو اختیار کرنے کا مکلّف ہے، جب ذات باری تعالیٰ عدم احتیاج کے باوجود بندوں کی تعلیم کے لیے اسباب اختیار کرتا ہے تو بندہ تو بدرجہ اولیٰ اس بات کا مجاز ہے کہ وہ کسی بھی قسم کی ترقی یا تنزلی کے اسباب کو معلوم کرے اور ترقی کے اسباب اختیار کر کے اپنی فطرت کو تسکین دے اور تنزلی کے اسباب سے اجتناب برتے۔

تو آیئے! اب ہم انحطاط علمی کے اسباب کو معلوم کریں اور ان اسباب سے اجتناب کی بھرپور کوشش کریں، کیوں کہ بندے کے بس میں یہی ہے کہ وہ اسباب ترقی کو معلوم کرے اور اسے اپنائے اور اسباب تنزلی کو معلوم کر کے اس سے اجتناب کرے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق مرحمت فرمائے اور قدم قدم پر ہماری نصرت اور تائید کرے۔ آمین یا رب العالمین!

علمی استعداد پیدا نہ ہونے کے اسباب

① نیت میں اخلاص کا فقدان ② علم کی حقیقت، مقصد، ہدف مصدر اور تقسیم سے ناواقفیت ③ علم کے مطابق عمل کا نہ ہونا ④ جہد مسلسل کی ناپیدگی ⑤ ادب کا فقدان ⑥ سنن، مستحبات اور فرائض سے اعراض ⑦ وقت کو صحیح استعمال میں نہ لانا ⑧ اخلاق حمیدہ سے فرار ⑨ صحیح توجہ اور طلب کا فقدان ⑩ ادائیگی حقوق سے صرف نظر ⑪ مطالعہ کی قلت ⑫ کھیل کود سے دلچسپی ⑬ موبائل میں انہماک ⑭ اساتذہ کی غیبت ⑮ فسادانہ ذہنیت ⑯ بازاروں کے طواف ⑰ بروں کی صحبت ⑱ متکبرانہ اور عناد پسند ذہنیت ⑲ انتظامیہ سے بے جا گلہ ⑳ سہولت پسندی ㉑ ذہنی وجسمانی صحت کا خیال نہ رکھنا ㉒ زیب وزینت کی عادت۔

① نیت میں اخلاص کا فقدان:

کسی بھی عمل میں ترقی اور قبولیت کے لیے نیت کا درست ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی لیے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ---

"اعمال کا دارومدار نیت پر ہے"---

یعنی اگر کسی بھی عمل میں نیت صحیح ہوگی تو ثواب ملے گا اور ترقی ہوگی اور اگر نیت

درست نہ ہوگی تو نہ ثواب حاصل ہوگا اور نہ ترقی۔ لہٰذا ہمارے طلبہ اور ان کے والدین کو حصول علم کے وقت رضائے الٰہی کی نیت کرنی چاہیے۔ مگر افسوس کہ آج نہ پڑھنے میں دل لگتا ہے، نہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ نیت کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

۲ علم کے ما لہٗ و ما علیہ سے ناواقفیت:

علم، جہل کی ضد ہے۔ علم کی لغوی تعریف:

ادراك الشئ علیٰ ما هو علیه إدراکا جازما---[کتاب العلم]

''کسی چیز کی حقیقت کا یقین کے ساتھ ادراک کرنا اور جاننا''---

اور بعض نے کہا:

الصورة الحاصلة في الذهن---

''ذہن میں سمانے والی کوئی بھی صورت''---

اقسام علم:

محمد بن صامل سلمی اپنی مایہ ناز تصنیف لطیف 'منهج کتابة التاریخ الاسلامی' میں تحریر فرماتے ہیں:

علم کے معنی عام کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: علم نظری و علم عملی

علم نظری کہتے ہیں، صرف اشیاء کے ظاہر کے جاننے کو، جیسے موجودات عالم کا علم۔

علم عملی کہتے ہیں، وہ علم جس پر عمل کرنا ضروری ہو۔ اگر علم ہو تو ہی عمل مکمل ہوتا ہے، جیسے عبادات کا علم، شریعت کا علم۔

علم کی ایک اور تقسیم: علم شرعی اور علم غیر شرعی۔

علم شرعی: شریعت مطہرہ کو جاننے کا کہا جاتا ہے۔

علم غیر شرعی: شریعت کے علاوہ دیگر چیزوں کی معلومات کو کہا جاتا ہے۔

علم شرعی کی تقسیم: علم شرعی کی حکم کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

''فرض علی الکفایة'' اور ''علم شرعی فرض عین''۔

''علم شرعی فرض عین'' تو کہا جاتا ہے، اس علم کو جس کا جاننا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ سب سے پہلے عقائد کا علم یعنی اللہ، رسول، ملائکہ، جنت، جہنم، قیامت، حشر و نشر،

میزان، صراط، حوض کوثر، شفاعت، تقدیر، قرآن سے متعلق بنیادی اور اساسی معلومات، جس سے آج امت کا بہت بڑا طبقہ ناواقف ہے، جس کی وجہ سے بے دینی اور اباحیت پسندی، فیشن پرستی، فحاشی، مداہنت، سیکولرازم، بدعات وخرافات، مغربی کلچر اور دیگر غیر اسلامی کلچر کے دلدل میں پھنسا چلا جارہا ہے۔ اللہ سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ہم سب کو محفوظ رکھے۔

اسی طرح عبادات مفروضہ کا علم، مثلاً نماز وروزہ کے فرائض، واجبات، سنتیں، مستحبات، مکروہات، مفسدات وغیرہ۔ اگر مال دار ہے تو زکوٰۃ اور حج کے ضروری مسائل، اگر تاجر ہے تو اسلام کا طریقۂ تجارت اور لین دین کے مسائل، اگر ملازم اور مزدور ہے تو کرایہ کے مسائل، اگر طالب علم ہے تو طلب علم کے مسائل وغیرہ؛ یہ تو ہوا وہ علم جو فرض عین ہے۔

''فرضِ کفایہ'' یعنی مسافت سفر کے برابر علاقہ میں اس علاقہ کے ایک آدمی کا ابواب شریعت سے متعلق تمام ضروری اور اہم مسائل کا جاننا ضروری ہے؛ ورنہ پورے علاقہ کے مسلمان گنہگار ہوں گے۔ آج دنیا میں کتنے ایسے خطے ہیں جہاں دور دور تک کسی مسائل بتانے والے کا کوئی اتا پتا نہیں۔

یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے کہ قرآن وحدیث میں جس علم کی فضیلت بار بار آئی ہے، وہ علم شرعی ہے؛ جیسا کہ امام ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم و فضله'' میں اور دیگر محدثین وفقہاء نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ ہاں! البتہ جو علوم، علم شرعی کے لیے وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ اس فضیلت سے خارج نہیں؛ مثلاً علم نحو، علم صرف، علم بیان، علم بلاغت، علوم عربیہ وغیرہ؛ مگر علوم معاش اس میں داخل ہی نہیں۔

علوم کی ایک تقسیم حق وباطل کے اعتبار سے بھی ہے:

''علوم حقہ'' اور ''علوم باطلہ''۔ علوم حقہ مثلاً علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ وغیرہ؛ اور علوم باطلہ جیسے علم سحر، علم شعبدہ، علم نجوم وغیرہ۔

اسی طرح علم کی ایک تقسیم نفع اور ضرر کے اعتبار سے بھی ہے:

''علوم ضارہ'' اور ''علوم نافعہ''۔ ہر وہ علم جس کے ذریعہ باطل طریقہ یا باطل نیت وارادہ سے دنیا طلبی یا جاہ طلبی مقصود ہو، وہ علم ''علم ضار'' ہے اور جس سے رضائے الٰہی کا قصد وارادہ اور شرعی طریقہ ہو اور اس پر عمل ہو تو ''علم نافع'' ہے۔

خلاصہ یہ کہ فضائل کا حامل وہی علم ہے جو حق ہو، شرعی ہو، نافع ہو اور جس پر عمل ہو۔

اب ذرا ہم اپنے معاشرۂ علماء اور طلبہ پر ایک اُچکتی نگاہ ڈالیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ اس وقت ہماری کیا کیفیت ہے؟ جاہ طلبی اور دنیا طلبی ہم پر مستولی ہوچکی ہے؛ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح ہدایت دے اور دنیا و آخرت میں اپنی گرفت اور پکڑ سے محفوظ رکھے۔ آمین!

امام ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں:

اگر بندے نے سب کچھ جان لیا اور ہر چیز کی معرفت حاصل کر لی، مگر اپنے پروردگار اور پالنہار کی معرفت نہیں حاصل کی، تو سب کچھ لا حاصل اور بے سود ہے اور اگر اس کو دنیا کی ساری نعمتیں، لذتیں اور شہوتیں حاصل ہو جائیں، مگر اللہ کی محبت اور اس کی ملاقات کا شوق اور اس کے دیدار کا جذبہ حاصل نہ ہو، تو یہ سب بھی بے فائدہ اور لایعنی ہے۔ گویا اسے عارضی لذتیں حاصل ہوگئی ہوں اور دائمی لذتوں سے محروم اور نامراد ہوا۔ اللہ ہماری مکمل حفاظت فرمائے۔ آمین!

[اغاثة اللفهان، جلد ا، صفحہ ۶۸]

مقصد و منتہائے علم:

علم کے حصول کا مقصد ہی اللہ کی عبادت کا صحیح شرعی طریقہ جاننا، پھر اس پر عمل کر کے حق و باطل کے درمیان تمیز کرتے ہوئے پوری زندگی خود بھی اور دوسروں کو بھی اللہ کی مرضیات کے راستہ پر لانے کی کوشش کرنا اور اس کے غضب و عقاب والے راستوں سے خود بھی اور دوسروں کو بھی روکنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم کے مقصد کو سمجھنے کی اور پھر اسے اپنی زندگی میں صحیح معنی میں اُتارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

امین مصری فرماتے ہیں:

علم کی شان یہ ہے کہ اس کے پاس ایمان نہ ہو تو ایمان اندر داخل ہوتا ہے اور اس میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور جب ایمان میں استحکام پیدا ہوتا ہے تو عمل پر بندہ آمادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر علم پر عمل نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم بھی ناقص اور ایمان بھی کمزور ہے۔ بلکہ اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کی مذمت: مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ والی آیت کریمہ میں کی ہے اور بتایا کہ علم پر عمل نہ کرنے والے کی مثال، اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں

لادی گئی ہوں، یعنی گدھے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ گویا قرآن نے بے عملی پر ایسے شخص کو گدھے جیسے رذیل جانور سے تشبیہ دی۔ اگر غیرت، حمیت اور انسانی شرافت ہو تو آدمی اس سے عار اور سبق حاصل کر سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تو ایسے شخص کے لیے، جو علم پر عمل نہ کرے اور تحصیل علم کے زمانے میں دنیا کمانے کی نیت کرتا ہو، تو ایسوں کے لیے سخت ترین وعید سنائی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر کسی شخص نے علم دین کو اس لیے حاصل کرنے کا ارادہ کیا کہ اس کے ذریعہ دنیا کمائے گا تو ایسا شخص جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکے گا''---

[مسند احمد، مستدرک حاکم، اقتضاء العلم العمل، صفحہ ۶۵]

یہ بڑی سخت وعید ہے۔ ہم طلبہ وعلماء کے معاشرے کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اپنے علم کے ذریعہ آخرت کی فکر اور تیار کرنے کی نیت اور اس کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے۔ اللہ ایسی سخت وعیدوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

علم کا مصدر وحی الٰہی:

علم حقیقی صرف اور صرف وہی ہے جو وحی کی صورت میں انسانوں کی ہدایت کے لیے منجانب اللہ، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء پر نازل ہوا؛ جس کی تعلیم وتعلم کی اللہ نے ہمیں توفیق عطا فرمائی؛ باقی سب محض ظنیات ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے اور خوب جد وجہد اور محنت سے حاصل کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں علم کی خاطر مرمٹنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حصول علم کے وسائل:

اللہ رب العزت نے چوں کہ انسان کو علم ہی کی وجہ سے امتیاز بخشا ہے، تو اس کو حصول علم کے ذرائع بھی عطا کیے، اللہ کا فرمان ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○---

''اللہ نے تم کو اپنی ماؤں کے پیٹ سے اس حال میں پیدا کیا کہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے، مگر تمہیں کان، آنکھ اور دل دیا، تا کہ تم شکر بجالاؤ''---

ایک جگہ پر ارشاد فرمایا:

''وہی ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہیں کان، آنکھ اور دل دیے؛ تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو''---

اور ایک جگہ پر فرمایا:

''یقیناً کان، آنکھ، دل سب کے بارے میں (قیامت کے دن) باز پرس ہوگی''---

خلاصہ یہ کہ اللہ رب العزت نے قوتِ سماع، قوت بینائی اور قوتِ ادراک و فہم اس لیے دیے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ علم حاصل کرے۔ گویا اسی مقصد کے لیے یہ تین عظیم نعمتیں دی گئیں اور قیامت کے دن اس پر باز پرس بھی ہوگی۔ مگر افسوس کہ آج مغرب نے انسان کی ان تینوں طاقتوں کو لہو ولعب اور محرمات شرعیہ میں صرف کرنے کے لیے ایسے آلات ایجاد کیے ہیں کہ جس میں منہمک ہو کر ہماری نوجوان نسل برباد ہوتی چلی جارہی ہے اور دنیا آخرت کی بربادی کا سامان اپنے ہاتھ سے مہیا کر رہی ہے۔ مثلاً قوتِ سماع کو قرآن اور اس کے علوم کی تحصیل کے لیے صرف ہونا تھا، مگر اس کی جگہ فحش گانے، قوالیاں، موسیقی اور کہانیوں کے لیے صرف ہو رہے ہیں اور آنکھ فلموں، میچوں اور گیموں کے دیکھنے میں؛ دل، اللہ کے علاوہ غیر کی محبت میں۔ غرض ٹی وی، موبائل، ویڈیو، انٹرنیٹ کلبوں اور تھیٹروں نے ہمیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمارے طلبہ مدارس بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکے: رات دن چوری چھپے موبائل میں وقت ضائع کرتے ہیں، یہ وقت نہیں بلکہ اپنی زندگی اور دنیا و آخرت ضائع اور برباد کر رہے ہیں!

④ علم پر عمل نہ کرنا:

اس پر کچھ باتیں ذکر ہو چکیں اور مزید تفصیل خطیب بغدادی کی کتاب اقتضاء العلم العمل اور امام ابن رجب کی کتاب فضل علم السلف علی الخلف میں پڑھ سکتے ہیں۔

⑤ جہدِ مسلسل کا فقدان:

محنت تو گویا ہمارے طلبہ کی طبیعت سے بالکل ختم ہو چکی ہے۔ مشکل سے ۱۵، ۲۰/ فی صد طلبہ کے علاوہ اکثر طلبہ محنت سے جی چراتے ہیں؛ جو بڑے دکھ کی بات ہے۔ طلبہ کی اس

لاپرواہی کو دیکھتے ہوئے ایک مفتی صاحب نے کہا کہ آج کل مدارس میں جو طلبہ آتے ہیں ان کا حال یہ ہے:

دخل حماراً صغیراً و رجع حماراً کبیراً---

یعنی صرف کھا پی کر، بڑے ہو کر چلے جاتے ہیں اور کچھ نہیں۔ اللہ صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

⑥ ادب کا فقدان:

ادب، سلیقہ، شائستگی تو دن بہ دن عنقا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ نہ استاذ کا ادب، نہ کتاب و مدرسہ کا ادب، نہ درس گاہ کا ادب اور نہ مسجد کا ادب۔ خال خال دس بیس فی صد طلبہ شاید ایسے مل جائیں گے جو با ادب ہوں؛ ورنہ تو بے ادبی ایسی کہ اللہ کی پناہ!!! حالاں کہ ادب اور اخلاق تو طالب علم شرعی کے لیے لازمی عنصر کی حیثیت کے حامل ہیں، اس کے بغیر تو کچھ آہی نہیں سکتا۔ تاریخ میں بے شمار مثالیں اس پر شاہد عدل ہیں۔

سنن، مستحبات اور فرائض سے فرار:

طلبہ کا حال اب دن بہ دن ابتر ہوتا جا رہا ہے، نہ فرائض کا اہتمام، یہاں تک کہ پانچ فرض نمازیں بھی زور وزبردستی کر کے پڑھوانا پڑتی ہیں۔ حالاں کہ ایک مومن کی زندگی نماز کے بغیر بے کار ہے اور طالب علم کے لیے تو نماز کا ترک، موت کے مترادف ہے۔ ہمارے اسلاف کا حال یہ تھا کہ طالب علمی کے دور میں نہ نماز جاتی تھی، نہ تہجد چھوٹتی تھی۔ بیس بیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی تھی۔ اللہ ہمیں صحیح ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!
نماز سے پہلے اور بعد کی نہ سنن مؤکدہ ادا کرتے ہیں اور نہ غیر مؤکدہ، نہ وضو اور نہ نماز کے مستحبات و مکروہات کا خیال کرتے ہیں، بلکہ بہت سے طلبہ تو وتر بھی ادا نہیں کرتے؛ کیا نمازوں کو ترک کرنے والوں کو بھی کہیں علم اور اس کا نور حاصل ہوتا ہے؟

⑦ ضیاعِ وقت:

یہ تو اب ہمارے طلبہ اور معاشرہ کا طرۂ امتیاز ہو چکا ہے کہ راتوں کو دیر تک جاگنا، پھر فجر نہ پڑھنا اور اگر پڑھے بھی تو سوتے سوتے؛ نہ درس گاہ میں توجہ سے بیٹھنا، کھیل کود، سیر وسیاحت اور لغویات میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ کیا ایسے وقت ضائع کرنے والوں میں بھی علمی استعداد پیدا ہو سکتی ہے؟

⑧ اخلاق حمیدہ سے دوری:

اخلاق کے بارے میں تو پوچھیے ہی مت، اتنے رذیل اخلاق کہ جس کی کوئی حد نہیں، نہ راستے پر اخلاق سے چلنا، نہ درس گاہ میں اخلاق سے بیٹھنا، نہ اساتذہ کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا اور نہ بڑوں کا احترام کرنا، سیٹیاں کسنا، تالیاں بجانا، چیخنا اور چلانا، ہنگامہ آرائی کرنا۔ یادرکھو! بداخلاقی بھی، علم کی تحصیل میں بڑی رکاوٹ ہے۔

⑨ توجہ کا فقدان:

طلبہ اساتذہ کا سبق بھی توجہ سے نہیں سنتے، کوئی سوتا ہے، کوئی چپکے چپکے گیم کھیلتا ہے، کوئی ادھر اُدھر جھانکتا ہے، کوئی اپنے خیالات کی دنیا میں گم ہوتا ہے، بے توجہ سے کیا کبھی کسی کو علم حاصل ہوا ہے؟

⑩ حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی:

طلبہ نہ اساتذہ کے حقوق ادا کرتے ہیں، نہ اپنے ماتحتوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ کسی کا قرض لے کر نہ دینا، کسی کی کوئی چیز چھپا دینا اور نہ لوٹانا، کسی کے پیسے دبا لینا، ناحق اپنے ساتھیوں سے مار پیٹ کرنا، یہ حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہیں، کیا اس طرح لوگوں کو ستانے سے علم آجائے گا؟

⑪ مطالعہ کا فقدان:

مطالعہ نام کی کوئی چیز طلبہ میں باقی نہیں رہی، کیا بغیر مطالعہ کے علم کبھی کسی کو آیا ہے؟ ہمارے اسلاف مطالعہ کے لیے دن رات ایک کر دیتے تھے۔ ذرا ان کی زندگیاں پڑھو، مرنے کے بعد جنت میں بھی مطالعہ میں لگے ہوئے ہوں گے!!

⑫ کھیل کود سے دلچسپی:

اسکولوں اور کالجوں والوں نے تو کھیل کود کو تعلیم کا حصہ بنا لیا جو سنگین غلطی ہے، مگر ہمارے طلبہ بھی اچھا خاصا وقت کرکٹ وغیرہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ اس طرح کھیلنے کودنے سے علم حاصل نہیں ہوتا۔

⑬ موبائل سے انہماک:

موبائل کے نقصانات نفع سے زیادہ ہیں۔ خاص طور پر طالب علم کے لیے سمِ قاتل ہے، اس میں وقت کا ضیاع خسر الدنیا و الآخرۃ کا مصداق ہے۔ اللھم احفظ!

⑭ اساتذہ کی غیبت:

طلبہ میں ایک مرض یہ بھی سرایت کر گیا ہے کہ وہ اساتذہ کے طریقہ تدریس پر تبصرے کرتے ہیں، جب کہ یہ سراسر بے ادبی ہے، کیوں کہ اللہ کی طرف سے ہر ایک کو افہام وتفہیم، ایک جیسی نہیں دی جاتی ہے، لہٰذا صرف اساتذہ کے درس کے سننے پر اکتفا کرے اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو حاشیے سے حل کرے، ورنہ چھوڑ دے، ان شاء اللہ اس ادب پر ہی اللہ علم میں برکت دے دے گا۔

⑮ مفسد ذہنیت:

جنگ وجدال اور گالی گلوچ کی عادت بھی ہمارے طلبہ میں ایک معمول بننے لگی ہے، حالاں کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں؛ لہٰذا اپنے اوپر عائد حقوق کو ادا کریں اور دوسروں پر عائد اپنے حقوق میں نرمی یا درگزر سے کام لیں تو یہ بھی علم میں ترقی کا باعث ہوگا؛ مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوتا؟

⑯ طلبہ کا بازار میں بہ کثرت جانا:

طلبہ کا بازار میں بہ کثرت جانے کا رواج عام ہو چلا ہے، حالاں کہ بازار برائیوں کا اڈہ ہے۔ جس کے چکر کاٹنے سے بری عادات پیدا ہوتی ہیں کیا بازاروں میں چکر کاٹنے والوں کے علم میں ترقی ہو سکتی ہے؟

⑰ بروں کی صحبت:

بری عادات کے حامل لوگوں کی صحبت بھی انسان کی ترقی اور استعداد کی پختگی میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے، مگر ہمارے طلبہ بروں کے ساتھ رہنے کو ہی پسند کرتے ہیں۔

⑱ تکبر:

متکبر ذہنیت کا طالب علم کبھی سرخرو نہیں ہو سکتا۔ علم کے لیے تواضع لازمی ہے، مگر آج تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ کیا ایسے لوگوں کو علم کا نور حاصل ہو سکتا ہے؟

⑲ انتظامیہ سے گلہ:

کھانے پینے، رہنے سہنے کے سلسلے میں آج کل ہمارے طلبہ میں بڑے ناز ونخرے آ گئے ہیں اور اس سلسلہ میں اکثر انتظامیہ کی غیبت اور اس کو برا بھلا کہنا اور ان کے ساتھ بدتمیزی کرنا

گویا عام سی بات ہوگئی؛ حالاں کہ یہ سب تبرعات ہے۔ ہمارے اسلاف نے اپنا مال، اپنی جان، اپنا وقت، اپنا سب کچھ کھپا کر علم حاصل کیا؛ ان کے لیے نہ رہنے کے انتظامات تھے، نہ کھانے کے، مگر پھر بھی محنت کرتے اور سب انتظامات خود سے کرتے تھے؛ لہٰذا علمی استعداد میں پختگی پیدا کرنا ہو تو یہ سب ناز و نخرے چھوڑنے ہوں گے اور تن، من، دھن کی بازی لگانی ہوگی، تب جا کر استعداد پیدا ہوسکتی ہے۔

⑳ سہولت پسندی:

آج کل طلبہ کی طبیعتیں سہولت پسندی کا شکار ہو چکی ہیں؛ وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ علم بھی سہولتوں سے حاصل ہوجاتا ہے۔

ع: ایں خیال است و محال است و جنوں

مجاہدانہ روش اختیار کر کے ہی استعداد پیدا ہوگی۔

㉑ طلبہ اپنی ذہنی و جسمانی صحت کا خیال نہیں کرتے:

جو آیا کھالیا، جب جی میں آیا سو گئے، جو دل میں آیا فحش تصاویر اور ویڈیو دیکھ لیا، یہ سب امور ذہن اور جسم پر انتہائی منفی اثرات مرتب کرتے ہیں اور ظاہر ہے جب ذہن اور جسم صحت مند نہ ہوں گے تو علم کے حصول میں جی نہیں لگے گا اور استعداد پیدا نہ ہوگی۔

㉒ زیب و زینت کے عادی:

آج کل ہمارے طلبہ زیب و زینت کے بڑے عادی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ رنگ بہ رنگ کی ٹوپی، کرتا پاجامہ، مختلف نسوانی ڈیزائن کے کپڑے، پینٹ، نائٹی، بے ڈھنگے ڈیزائن اور فیشن زدہ بال۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس طرح طالب علم میں استعداد کیسے پیدا ہوگی؟ جب اس کو ان کاموں ہی سے فرصت نہیں۔ طبیعت میں سادگی اور نظافت ہونی چاہیے۔ تکلفات سے ہمارے اسلاف کی زندگیاں عاری ہیں۔

㉓ دعاء اور تلاوت سے غفلت:

بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل طلبہ و علماء میں قرآن جیسی عظیم کتاب کی تلاوت اور دعا جیسی عظیم عبادت سے غفلت برتی جا رہی ہے، حالاں کہ دعا اور قرآن یہ ہماری ترقی میں اور خاص طور پر روحانی اور علمی ترقی میں انتہائی کارآمد ہیں، مگر اس جانب توجہ نہیں دی جاتی ہے۔

طلبہ کو صبح سویرے جلدی بیدار ہو کر تہجد کے ساتھ اور مغرب سے پندرہ منٹ پہلے مسجد میں آ کر اہتمام کے ساتھ دعا و تلاوت میں مشغول ہو جانا چاہیے اور ہر نماز سے دس پندرہ منٹ پہلے مسجد میں حاضر ہو کر قرآن کی تلاوت میں مصروف ہو جانا چاہیے۔

دعا اور قرآن کے روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ بے شمار مادی اور جسمانی فوائد بھی ہیں، جس کو آج کی سائنس نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ یہ صرف دعا و قرآن کا ہی امتیاز نہیں بلکہ تمام اسلامی عبادتوں اور ریاضتوں کا یہی حال ہے کہ ہر ایک میں روحانی، مادی اور جسمانی بے شمار فوائد مضمر ہوا کرتے ہیں۔ آج کے علوم تجربیہ نے تمام اسلامی عقائد اور عبادات و احکام کے منافع کو تجربے کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے۔ اگرچہ ہمارے پیشِ نظر صرف اور صرف رضائے الٰہی اور آخرت ہی کی کامیابی ہونی چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ نیت میں عدم اخلاص، علم کے مفہوم سے ناواقفیت، علم کے مطابق عمل کا نہ ہونا، محنت سے فرار، بداخلاقی اور بے ادبی، اسلامی فرائض و واجبات، سنن اور مستحبات سے عدم دلچسپی، وقت کا ضیاع، بے توجہی، غفلت اور سستی حقوق میں کوتاہی، مطالعہ سے دوری، لہو و لعب میں انہماک، موبائل سے دلچسپی، اساتذہ کی غیبت و بے ادبی، فسادانہ ذہنیت، شکوہ و شکایت کی عادت، بازاروں کے چکر، دوستی اور یاری، تکبر و عناد، سہولت پسندی اور راحت طلبی، زیب و زینت کی عادت، صحت کا خیال نہ کرنا، تکبیر اولیٰ کا اہتمام نہ کرنا وغیرہ، یہ وہ اسباب ہیں جس کی بنا پر ہمارے مدارس کے طلبہ سے وہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں جس کی توقع کی جاتی ہے۔

اخیر میں طلبہ عزیز سے لجاجت کے ساتھ درخواست ہے کہ وہ اپنے والدین، اپنے ادارے کی انتظامیہ، اپنے اساتذہ کی محنت اور امید پر پانی نہ پھیرتے ہوئے اور ان کی محنتوں کو رائیگاں نہ کرتے ہوئے، پورے انہماک کے ساتھ علمی استعداد میں پختگی پیدا کرنے کے اسباب اختیار کر کے تن من دھن کے ساتھ علم کے حصول میں لگ جائیں اور اپنا اور پوری امت کا مستقبل روشن کرنے کی سعی کریں۔

اللہ ہماری مدد فرمائے، ہمیں توفیق عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں سرخرو فرما کر ہم سے راضی ہو جائے۔ آمین!

[بشکریہ ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک]

❀❀❀❀❀
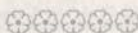
ارمغانِ محبت

سعید بدر قادری کے لاجواب تبصرہ پر تبصرہ

صحافی محمد اصغر مجددی

ماہ نامہ نور الحبیب، جولائی ۲۰۱۶ء کے شمارے میں پیر طریقت رہبر شریعت حضرت صاحبزادہ علامہ محمد محب اللہ نوری دامت برکاتہم العالیہ کے نعتیہ دیوان ''ارمغانِ محبت'' کے موضوع پر معروف نعت گو شاعر محمد سعید بدر قادری، جن کا کلام ماہ نامہ نور الحبیب اور دیگر مجلوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہتا ہے، کا ایک انتہائی دانش ورانہ، فکر انگیز، ایمان افروز اور طویل معلوماتی تبصرہ شائع ہوا ہے، چوں کہ تبصرہ نگار اشعار کی اصناف، باریکیوں، خوبیوں، ردیف وقافیہ اور تراکیب کے استعمال اور صاحبِ دیوان کے اشعار میں موجزن اشاروں، کنایوں، خیالات واستعارات اور مفاہیم ومعانی کو سمجھنے اور پھر ان مضامین کو قارئین کے دل ودماغ میں اتارنے اور ان کی ایمانی وحقانی اور نورانی تشریح کرنے کے مشکل ترین کام پر دسترس رکھتے ہیں، وہ عشق ومحبت مصطفیٰ ﷺ سے سرشار ہونے کے ساتھ مسلک اعلیٰ حضرت اور عقائد اہل سنت سے بخوبی آگاہ ہیں، اس لیے ان کے متذکرہ اوصاف نے زیرِ نظر تبصرے کو دوآتشہ بنا دیا ہے۔ انھوں نے ارمغانِ محبت کو بڑی محنت، عرق ریزی اور جاں فشانی سے کھنگالا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ارمغانِ محبت کے ہر شعر پر ان کی گہری نظر ہے۔ یہ امر ان کے صنفِ نعت سے لگاؤ اور صاحبِ دیوان سے زبردست محبت وعقیدت کا آئینہ دار ہے۔ انھوں نے ارمغانِ محبت کے بابرکت نعتیہ اشعار کی جس خوب صورتی ودل نشین انداز میں

عاشقانہ و ماہرانہ اور دلبرانہ طریقے پر تشریح کرتے ہوئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جو عنوانات نکالے ہیں، ان سے قارئین کے دل عشقِ رسول اور محبتِ مصطفیٰ ﷺ سے لبریز اور مخمور ہو جاتے ہیں، وہ ایمانی و روحانی کیفیات میں ڈوب ڈوب جاتے ہیں اور ان کی نظروں میں گنبد خضراء ﷺ کے نظارے مچلنے لگتے ہیں۔

ارمغانِ محبت پر ان کا تبصرہ بہت بے مثال اور لاجواب ہے، انھوں نے تبصرے کے شروع میں صاحبِ دیوان حضرت صاحبزادہ علامہ محمد محبّ اللہ نوری زید مجدہ کے لیے تعارفی کلمات لکھتے ہوئے ان کی علمی، روحانی اور ادبی خدمات پر انھیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ انھوں نے بلند پایہ نعت نگار، شاعر نعت راجا رشید محمود کے ارمغانِ محبت کے لیے لکھے گئے گراں قدر تعارف کو اپنے مضمون کی زینت بنا کر تبصرے کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

عموماً یہ رواج ہے کہ نعت، نظم اور غزل کے موضوعات پر لکھی جانے والی کتابوں کے تبصرہ نگار اپنی تحاریر کی تائید کے لیے صاحبِ دیوان کے اشعار میں سے چن کر چند شعر بطور نمونہ پیش کر کے اپنی بات ختم کر دیتے ہیں، لیکن سعید بدر نے ایسا نہیں کیا، انھوں نے ارمغانِ محبت پر اپنے تحقیقی تبصرے کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور نمونے کے لیے انھوں نے ارمغانِ نعت کے سو سے زائد اشعار پیش کیے ہیں اور پھر اس پر کمال کی بات یہ ہے کہ انھوں نے ہر موضوع پر تین تین، چار چار اور پانچ پانچ یا اس سے بھی زائد اشعار بطور نمونہ لا کر بہترین مثال قائم کی ہے۔ جب تک زیرِ تبصرہ شعر کا مفہوم پڑھنے والے کے ذہن میں پوری طرح جاگزیں نہ ہو جائے، وہ ایک ہی مضمون کے اشعار مسلسل پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً سبز گنبد کے عنوان کو اجاگر کرنے کے لیے انھوں نے امغان محبت کے بارہ اشعار پیش کیے ہیں۔ غرض یہ کہ انھوں نے اپنے تبصرے میں نمونے کے تمام اشعار کے موضوعات کو احسن طریقے پر ذمہ داری سے نبھایا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک ﷺ کے طفیل ان کے عشق رسول کو سلامت رکھے اور ان کو مزید زورِ قلم عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁

کاپیاں پریس جا رہی تھیں کہ حاصل پور سے تعلق رکھنے والے ممتاز شاعر جناب محمد ساجد امین سعیدی کا "ارمغانِ محبت" پر تبصرہ موصول ہوا، جو ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ شمارے کی زینت بنے گا---[ادارہ]

❁❁❁❁❁

وفیات

مولانا غلام مرتضیٰ نوری (فوجی)

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے قدیم فضلاء میں سے تھے، تمام تر تعلیم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ میں حاصل کی، استاذ العلماء حضرت مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم جماعت تھے--- بہت صالح انسان، جید عالم دین اور حضرت سیدی فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مرید رشید تھے--- لاہور میں مقیم تھے، طویل علالت کے بعد ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ/۲۱ جون ۲۰۱۶ء کو وفات پا گئے--- ان کے پانچ صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادے مولانا غلام مجتبیٰ نوری (دربار مادھولال حسین رحمۃ اللہ علیہ لاہور) اور مولانا غلام مصطفیٰ نوری محکمہ اوقاف میں بطور خطیب خدمات انجام دے رہے ہیں، جب کہ محمد وفا نوری، محمد رضا اور محمد ضیاء نعیم مختلف شعبوں سے وابستہ ہیں---

حضرت مولانا سید غلام رسول شاہ (تکڑے شاہ)

موصوف حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے تلمیذ، بہت صالح اور درویش منش انسان تھے، تمام تر دینی تعلیم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ سے حاصل کی، پتلے دبلے لیکن عزم کے پکے تھے، اس لیے حضرت سیدی فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ انہیں ''تکڑے شاہ'' کہہ کر پکارتے--- وہ خود بھی اس کا عربی ترجمہ ''السید القوی'' اپنے نام کے ساتھ لکھتے تھے--- انہوں نے درس نظامی کے عام معمول کے کورس سے زائد کتابیں مثلاً در مختار، میر زاہد، ملا جلال اور عبدالغفور وغیرہ حضرت مولانا ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں--- فراغت کے بعد سے وفات تک چک نمبر 80/12.L (ساہیوال) میں دینی خدمات انجام دیتے رہے ہیں--- عرصہ سے عارضہ قلب، رعشہ اور دیگر امراض میں مبتلا تھے، ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ/۳۰ جون ۲۹۱۶ء، بروز جمعرات راہیٔ ملک بقا ہو گئے--- ان کی وصیت کے مطابق جانشین فقیہ اعظم پیر طریقت حضرت سیدی صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری دامت برکاتہم العالیہ نے جنازہ کی امامت کروائی، مریدین و معتقدین کے جم غفیر نے جنازہ میں شرکت کی--- بوریوالا، میاں چنوں روڈ پر واقع ان کے گاؤں 80/12.L میں تدفین ہوئی--- صاحبزادہ محمد احمد شاہ ان کے اکلوتے بیٹے ہیں---

گزشتہ دنوں:

● ...... ممتاز نعت خواں سید منظور الکونین، واہ کینٹ--- ● ...... مولانا محمد صدیق نوری نظامی، اوکاڑا کے بڑے صاحبزادے حافظ عبدالرسول نوری، جو بڑے ہونہار، آستانہ عالیہ نوریہ سے وابستہ اور بزم فقیہ اعظم اوکاڑا کے سرگرم کارکن تھے--- ● ...... مولانا محمد عزیز نوری، دھرمہ کا نوجوان بیٹا--- ● ...... فاضل دارالعلوم ہذا مولانا مختار احمد، کھڈیاں خاص، قصور--- ● ...... مولانا الحاج محمد جعفر ضیائی، شاہدرہ لاہور کے بڑے بھائی--- ● ...... حافظ محمد یار نوری (بصیر پوری) مہتمم مدرسہ نوریہ حفظ القرآن حویلی لکھا روڈ سوڈھیکے کی بیوی--- ● ...... میاں خلیل احمد نوری چک 80/W.B (وہاڑی) کی اہلیہ--- اور ● ...... مورخ اہل سنت جناب میاں محمد صادق قصوری (برج کلاں، قصور) کی اہلیہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

مدینہ منورہ میں خودکش دھماکہ پر

ظالم ہیں، وہ بد بخت ہیں، ملعون و لعیں ہیں — جو لوگ کہ ہیں درپئے آزارِ مدینہ
افکارِ یزیدی کے ہیں وہ وارث و داعی — کرنے چلے تاراج جو گلزارِ مدینہ
حسرت ہی یہ گستاخ کے بد، دل میں رہے گی — کر پائے تہِ تیغ وہ دربارِ مدینہ
دولخت ہوا دل مرا اس خبر کو سن کر — غارت ہوں الٰہی! سبھی غدارِ مدینہ
اشکوں نے دیا ساتھ مرا لمحہ بہ لمحہ — شرمندہ ہوں میں آپ سے سرکارِ مدینہ
اے کاش ہو تفویض مجھے ایسا فریضہ — جاں دے کے بنوں میں بھی پرستارِ مدینہ
اس شہرِ محبت سے عقیدت مرا ایماں — ہے دین مرا الفتِ سردارِ مدینہ
ہے میری عبادت ترے اوصاف کا چرچا — ہیں کاسۂ اعمال میں اذکارِ مدینہ
اس خاک کی نسبت سے سرافراز ہوا ہوں — رکھ دینا کفن میں مرے چند خارِ مدینہ
ہر چیز نچھاور ہو ترے نام پہ آقا — خوش بخت بنوں پاؤں جو دیدارِ مدینہ
اے کاش میسر ہو مجھے اُڑ کے پہنچنا — اے کاش رہوں بن کے گرفتارِ مدینہ
جاروب کشی دَر کی بنے میرا مقدر — آغوش میں لے لیں در و دیوارِ مدینہ
ہر وقت رہے لب پہ مرے ذکرِ محبت — اور وقتِ نزع جاری ہو تذکارِ مدینہ

مہجور ، غلامی کی مجھے بھیک عطا ہو
اے کاش کرم ہو شہِ ابرارِ مدینہ

سید عارف محمود مہجور

نقشہ اوقات نماز برائے بصیر پور شریف ومضافات---ماہ اگست

تاریخ	صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری		طلوع آفتاب، انتہائے فجر		ضحوۂ کبریٰ		ابتداء وقت ظہر		اخیر مثل اوّل		اخیر مثل دوم آغاز وقت عصر		غروب آفتاب		وقت عشاء	
-	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ
1	3	50	5	23	11	27	12	13	3	38	5	02	7	04	8	36
2	3	51	5	23	11	27	12	13	3	38	5	01	7	03	8	35
3	3	51	5	24	11	27	12	13	3	37	5	01	7	02	8	33
4	3	52	5	25	11	27	12	13	3	37	5	00	7	00	8	32
5	3	53	5	26	11	27	12	13	3	36	5	00	7	00	8	31
6	3	54	5	27	11	27	12	13	3	36	4	59	6	59	8	30
7	3	55	5	27	11	27	12	13	3	35	4	58	6	58	8	29
8	3	56	5	28	11	27	12	13	3	35	4	58	6	57	8	28
9	3	57	5	28	11	27	12	12	3	34	4	57	6	56	8	27
10	3	58	5	29	11	27	12	12	3	34	4	56	6	55	8	26
11	3	59	5	30	11	27	12	12	3	33	4	56	6	54	8	25
12	4	00	5	30	11	27	12	12	3	32	4	55	6	53	8	24
13	4	01	5	31	11	27	12	12	3	31	4	54	6	52	8	22
14	4	02	5	32	11	27	12	12	3	30	4	54	6	51	8	21
15	4	02	5	32	11	27	12	11	3	30	4	53	6	51	8	20
16	4	03	5	33	11	27	12	11	3	29	4	53	6	50	8	18
17	4	04	5	33	11	27	12	11	3	28	4	52	6	49	8	17
18	4	05	5	34	11	27	12	11	3	27	4	52	6	48	8	16
19	4	06	5	34	11	27	12	11	3	27	4	51	6	47	8	14
20	4	07	5	35	11	27	12	10	3	26	4	50	6	46	8	13
21	4	08	5	35	11	27	12	10	3	25	4	50	6	44	8	11
22	4	09	5	36	11	26	12	10	3	25	4	49	6	43	8	10
23	4	10	5	37	11	26	12	10	3	24	4	48	6	42	8	08
24	4	11	5	37	11	26	12	09	3	24	4	48	6	41	8	07
25	4	12	5	38	11	26	12	09	3	23	4	47	6	40	8	05
26	4	13	5	38	11	26	12	09	3	23	4	46	6	39	8	04
27	4	14	5	39	11	26	12	09	3	22	4	45	6	38	8	02
28	4	14	5	39	11	25	12	08	3	22	4	45	6	36	8	01
29	4	15	5	40	11	25	12	08	3	21	4	44	6	35	8	00
30	4	16	5	41	11	25	12	08	3	21	4	44	6	34	7	59
31	4	17	5	41	11	25	12	07	3	20	4	43	6	33	7	57

Book No. 28 Serial No. 8
Aug-2016

Monthly "NOOR-UL-HABIB" Basirpur
Regd No. PS / CPL - 25

ISSN
1993-4238